اوکسفرڈ

اُردو ورثہ

انتخابِ کلام

خواجہ میر درد

ترتیب و تعارف: معین الدین عقیل

اُردو ورثہ

انتخابِ کلام

خواجہ میر درد

ترتیب و تعارف: معین الدین عقیل

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس یونیورسٹی آف اوکسفرڈ کا ایک شعبہ ہے۔ یہ دنیا بھر میں
درج ذیل مقامات سے بذریعہ اشاعت کتب تحقیق، علم وفضیلت اور تعلیم میں اعلیٰ معیار کے
مقاصد کے فروغ میں یونیورسٹی کی معاونت کرتا ہے:

اوکسفرڈ نیویارک
اوکلینڈ کیپ ٹاؤن دارالسلام ہونگ کونگ کراچی
کوالالمپور میڈرڈ میلبرن میکسیکوسٹی نیروبی
نیودہلی شنگھائی تیپی ٹورونٹو

درج ذیل ممالک میں اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کے دفاتر ہیں:
ارجنٹائن آسٹریا برازیل چلی چیک ریپبلک فرانس یونان
گوئٹے مالا ہنگری اٹلی جاپان پولینڈ پرتگال سنگاپور
جنوبی کوریا سوئٹزرلینڈ ترکی یوکرین ویتنام

Oxford برطانیہ اور چند دیگر ممالک میں اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کا رجسٹرڈ ٹریڈ مارک ہے۔

پاکستان میں اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی۔

پہلی اشاعت ۲۰۰۸ء

ISBN 978-0-19-547598-2

تیسری طباعت ۲۰۱۲ء

پاکستان میں پکسل گرافکس، کراچی میں طبع ہوئی۔
امینہ سیّد نے اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس
نمبر ۳۸، سیکٹر ۱۵، کورنگی انڈسٹریل ایریا، پی او بکس نمبر ۸۲۱۴،
کراچی۔ ۷۴۹۰۰، پاکستان سے شائع کی۔

تعارف

خواجہ میر درد اُردو کے اولین ممتاز غزل گو شاعروں میں شامل ہیں اور اپنا ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اٹھارویں صدی کی اُردو شاعری میں جن شاعروں کو اپنے لب و لہجے اور وارداتِ قلبی و روحانی کے باوصف شہرت اور عزت حاصل ہوئی، درد کا شمار ان ہی شاعروں میں ہوتا ہے۔ ۱۷۲۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ساری زندگی وہیں گزار دی اور دہلوی تہذیب و معاشرت میں رچ بس کر خود کو اس سے لازم و ملزوم بنا لیا اور وہیں ۱۷۸۵ء میں انتقال فرمایا۔

ان کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب اس وقت کے ایک معزز صوفی بزرگ کی حیثیت سے عزت و مقام رکھتے تھے اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ تصوف سے انھیں بے حد لگاؤ تھا اور اس کے سلسلۂ نقشبندی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے فیضِ تربیت سے خواجہ میر درد کو بھی بچپن ہی سے تصوف سے شغف پیدا ہوگیا اور شاعری بھی کرنے لگے اور اس میں اس حد تک دل چسپی لی کہ شاعری اور تصوف دونوں میں کمال حاصل کیا۔ موسیقی اور سماع کا بھی انھیں شوق تھا اور ان کی تعلیم بھی انھوں نے حاصل کی اور تصوف کے مختلف موضوعات پر کتابیں بھی لکھیں جو فارسی زبان میں ہیں۔ کچھ عرصہ شاہی ملازمت بھی کی لیکن ملازمت ان کے مزاج میں نہ تھی، چناں چہ اسے ترک کردیا اور پھر صوفیانہ شغل و اشغال کے ہو کر رہ گئے اور اپنے والد کی خانقاہ کو اپنا ٹھکانا بنا لیا اور ساری

زندگی وہیں بسر کی۔

شاعری میں غزل ان کا محبوب ذریعۂ اِظہار تھی، جسے وہ اپنے دل نشیں اسلوب میں، چھوٹی اور مقبول بحروں میں لکھتے رہے۔ اپنی داخلی اور فنی خوبیوں کی وجہ سے محض ایک دیوان پر، جو بہت ضخیم نہیں ہے، ان کی شہرت اور وقعت کا دارومدار ہے اور اسی پر ان کا شمار اس وقت کے ممتاز اور نمائندہ شاعروں میں ہوتا ہے۔ صوفیانہ خیالات، وارداتِ قلبی و روحانی اور حیات و کائنات سے متعلق موضوعات ان کی شاعری میں بھی نمایاں رہے۔ پھر ان کی شاعری میں عشقِ حقیقی و مجازی، زندگی اور معاملات زندگی اور فلسفیانہ خیالات و افکار آپس میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ انھیں بعض اوقات الگ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ چناں چہ عشقِ حقیقی کے جذبات وخیالات پر اکثر عشقِ مجازی کا گمان ہوتا ہے۔ طرزِ ادا بھی بہت سادہ، سنجیدہ اور دل نشیں ہے جسے وہ اپنے سوز اور جلال کے ذریعے پُرکشش اور پُرتاثیر بنا دیتے ہیں۔

دیوانِ درد کے علاوہ نثر میں، تصوف کے موضوعات پر متعدد تصانیف: اسرار الصلوٰۃ، واردات، علم الکتاب، نالۂ درد، آہِ سرد، شمع محفل، دردِ دل ان سے یادگار ہیں۔ فارسی میں بھی شاعری کرتے تھے، جس کا مجموعہ فارسی دیوان کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

دیوانِ درد کے کئی اچھے متن مرتب اور شائع ہوئے ہیں، زیرِ نظر انتخاب دیوانِ درد مرتبہ ڈاکٹر نسیم احمد (دہلی، ۲۰۰۳ء) کے متن پر مبنی ہے، جس میں صوتی املا کا خاص اہتمام ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین درست قرأت کے ضمن میں اس طرزِ املا کو مفید پائیں گے۔

جون ۲۰۰۷ء ڈاکٹر معین الدین عقیل

غزلیات

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

اُس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب، گذر ہووے تعقّل کے قدم کا

مانندِ حباب آنکھ تو اَے دردؔ! کھلی تھی
کھینچا نہ پر اِس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

باہر نہ آسکی تو قیدِ خودی سے اپنی
اَے عقلِ بے حقیقت! دیکھا شعور تیرا

ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یہاں بھی شہود تیرا وہاں بھی حضور تیرا

وائے نادانی! کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

حیف! کہتے ہیں ہُوا گلزار تاراجِ خزاں
آشنا اپنا بھی وہاں اک سبزۂ بے گانہ تھا

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ!
وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

کبھو خوش بھی کیا ہے جی کسی رِندِ شرابی کا
بھڑا دے مُنہ سے مُنہ ساقی! ہمارا اور گلابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یہاں فرصتِ ہستی
فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ، تھا شتابی کا

جان پہ کھیلا ہوں میں، میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یا رہے، مجھ کو اُدھر دیکھنا

مثلِ شرر تنگ چشم ہستیِ بے بوُد ہے
دیکھ نہ سکنا اُسے، ٹک بھی جدھر دیکھنا
نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا دردؔ، بس!
جی میں نہ رہ جائے یہ، آہ بھی کر دیکھنا

اِکسیر پر مُہوِس! اِتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیمیا سے اپنا گداز کرنا
کب دل ملے کسی کا ہم غم زدوں سے کُھل کر
ہے اپنے دل سے لازم جوں غُنچہ ساز کرنا
ہم جانتے نہیں ہیں اَے دردؔ! کیا ہے کعبہ
جیدھر ملے وہ ابرو اُودھر نماز کرنا

مثلِ نگیں، جو ہم سے ہُوا کام، رہ گیا
ہم رُوسیاہ جاتے رہے، نام رہ گیا
یارب! یہ دل ہے یا کوئی مہماں سرائے ہے
غم رہ گیا کبھو، کبھو آرام رہ گیا
ساقی! مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر
لب تشنہ، تیری بزم میں، یہ جام رہ گیا
سو بار سوزِ عشق نے دی آگ پر ہنوز
دل وہ کباب ہے کہ جگر خام رہ گیا
ہم کب کے چل بسے تھے، پر اَے مُژدۂ وِصال!
کچھ آج ہوتے ہوتے سَرانجام، رہ گیا
مُدّت سے وہ تپاک تو مَوقوُف ہو گئے
اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
توُ ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف توُ نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ، فریاد، آہ اَور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اُس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یہاں ڈھیر تھا

اشک نے میرے مِلائے کتنے ہی دریا کے پاٹ
دامنِ صحرا میں ورنہ اِس قدر کب گھیر تھا

شیخ، کعبہ ہو کے پہنچا، ہم کُنشتِ دل میں ہو
دردؔ منزل ایک تھی، ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

بے طرح کچھ اُلجھ گیا تھا دل — بے وفائی نے تیری سُلجھایا
دُشمنی میں سُنا نہ ہووے گا — جو ہمیں دوستی نے دِکھلایا
ہم نہ کہتے تھے، مُنہ نہ چڑھ اُس کے — دردؔ کچھ عشق کا مزہ پایا

مَیں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے — مری یاد تجھ کو دِلاتا رہے گا
گلی سے تری، دل کو لے تو چلا ہوں — مَیں پہنچوں گا جب تک یہ آتا رہے گا

سخت بے باک ہے یہ خامۂ شَوق — اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا
ٹک بھی گردُوں نے اگر فرصت دی — عیش کو کُشتۂ غم کیجیے گا

ہم نے کس رات نالہ سرَ نہ کیا — پر، اُسے آہ! کُچھ اثر نہ کیا
سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما — اِس طرف کو کبھو گُزر نہ کیا
کیوں بھویں تانتے ہو، بندہ نواز! — سینہ کس وقت مَیں سِپر نہ کیا
دیکھنے کو رہے ترستے ہم — نہ کیا رحم تو، نے پر نہ کیا
آپ سے ہم گذر گئے کب کے — کیا ہے، ظاہر میں گو سفر نہ کیا
کون سا دل ہے وہ کہ جس میں آہ! — خانہ آباد! تو، نے گھر نہ کیا

تجھ سے ظالم کے سامنے آیا جان کا مَیں نے کچھ خطَر نہ کیا
سب کے جوہر نظر میں آئے دردؔ! بے ہُنر! تو' نے کچھ ہُنر نہ کیا

رات مجلس میں ترے حُسن کے شعلے کے حضور شمع کے مُنہ پہ جو دیکھا تو کہیں نوُر نہ تھا
ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن مَیں نے پوچھا، تو کہا خیر، یہ مذکور نہ تھا
باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے وہاں یہ پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
محتسب! آج تو مَے خانے میں تیرے ہاتھوں دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چوُر نہ تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا کہ نہ ہنستے میں رُو دیا ہوگا
اُن نے قصداً بھی میرے نالے کو نہ سُنا ہوگا، گر سُنا ہوگا
دیکھیے، غم سے، اب کے، جی میرا نہ بچے گا، بچے گا، کیا ہوگا
دل زمانے کے ہاتھ سے، سالم کوئی ہوگا کہ رَہ گیا ہوگا
حال مجھ غم زَدے کا، جِس تِس نے جب سُنا ہوگا رُو دیا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں کہیں غُنچہ کوئی کِھلا ہوگا
یک بہ یک نام لے اُٹھا میرا جی میں کیا اُس کے آگیا ہوگا

ق

میرے نالوں پہ، کوئی دُنیا میں بِن کیے آہ، کم رَہا ہوگا
لیکن اُس کو اثر خدا جانے نہ ہُوا ہوگا یا ہُوا ہوگا
قتل سے میرے وہ جو باز رَہا کسی بدخواہ نے کہا ہوگا
دل بھی اَے دردؔ! قطرۂ خوُں تھا آنسوؤں میں کہیں گرِا ہوگا

تو، اپنے دل سے غیر کی اُلفت نہ کھو سکا
مَیں چاہوں اَور کو، تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
رکھتا ہوں ایسے طالعِ بیدار مَیں کہ رات
ہمسایہ میرے نالوں کی دَولت نہ سو سکا
گو نالہ نارَسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر
مَیں نے تو دَرگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا
دشتِ عدم میں جا کے نکالوں گا جی کا غم
کُنجِ جہاں میں کھول کے دِل مَیں نہ رُو سکا
جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عُمر
تو بھی تو دَرد! داغِ جگر مَیں نہ دھو سکا

انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہُوا ہو کسی کی نگاہ کا
زاہد کو ہم نے دیکھ لیا جوں نگیں بہ عکس
رَوشن ہُوا ہے نام تو اُس رُو سیاہ کا
ہر چند فِسق میں تو ہزاروں ہیں لذّتیں
لیکن عَجب مزہ ہے فقط جی کی چاہ کا
لے کر ازل سے تا بہ ابد ایک آن ہے
گر درمیاں حساب نہ ہو سال و ماہ کا
رَحمت قدَم نہ رنجہ کرے گر تری اِدھر
یا رب! ہے کون پھر تو ہمارے گناہ کا
شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نَے تاج کی ہَوَس، نہ اِرادہ کُلاہ کا
سَو بار دیکھیاں ہیں تری بے وفائیاں
تِس پر بھی ہٹ غرور ہے دل میں نِباہ کا

دل کس کی چشمِ مست کا سَرشار ہوگیا
کس کی نظر ہوئی کہ یہ بیمار ہو گیا
کچھ ہے خبر تجھے بھی کہ اُٹھ اُٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا
بَیٹھا تھا خِضر آ کے مرے پاس ایک دم
گھبرا کے، اپنی زیست سے بیزار ہوگیا
چاکِ جگر تو سیکڑوں، خاطِر میں کچھ نہ تھے
دل کی تپَش کے آگے مَیں ناچار ہوگیا
کھٹکی کبھو دلوں میں نہ تیری صدا، جرس!
نالہ مرا تو چُھوٹتے ہی پار ہوگیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گذر کیا
ہم نے ہی اِس جہان سے آخر سفر کیا

جن کے سبب سے، دَیر کو تو' نے کیا خراب
اَے شَیخ! اُن بُتوں نے مرے دل میں گھر کیا

کم فرصتی نے ہستیِ بے اعتبار کی
شرمندہ تیرے آگے ہمیں اَے شرر کیا

پیکان و دل کے ساتھ ہُوا جب مُعاوضہ
سینے سے، تب خَدَنگ نے، تیرے گذر کیا

روتا ہوں گرم جوشیِ مے یاد کر کے درؔد
آتَش نے مجھ کو شمع کی مانند تر کیا

اَے آتَشِ عشق! جس کو ہم یہاں
دل سمجھے تھے، سُو کباب نکلا

ایدھر کو جو مسکرا کے دیکھا
کچھ تو جی سے حجاب نکلا

ہر چند کیے ہزار نالے
پر جی سے نہ اِضطراب نکلا

مے خانۂ عشق میں تو اَے درؔد!
تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانندِ فلک، دل مُتوطِّن ہے سفر کا
معلوم نہیں، اُس کا اِرادہ ہے کدھر کا

جوں چاہیے، اُس طرح بیاں ہم سے نہ ہوگا
کر اپنے دہن سے ہی تو' وصف اپنی کمر کا

بے خونِ جگر داغ تو مُرجھا ہی چلے تھے
ہوتا نہ یہ چشمہ جو مرے دیدۂ تر کا

ٹھہر جا ٹک بات کی بات، اَے صبا!
کوئی دم کو ہم بھی ہوتے ہیں ہَوا

کُھلا دروازہ میرے دل پر از بَس اَور عالَم کا
نہ اندیشہ ہے شادی کا مجھے، نَے فکر ہے غم کا
گُلستانِ جہاں کا دید کیجو چشمِ عِبرت سے
کہ ہر اک سرو قد ہے اِس چمن میں نَخل ماتم کا

چمن میں باغباں سے، صُبح کو کہتی تھی یہ بُلبُل
گلوں کے مُنہ پہ یوُں چڑھتی ہے، دیدہ دیکھ شبنم کا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بَس ہجومِ یاس! جی گھبرا گیا

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جُز جَفا
پر، وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

کُھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری
جی میں یہ کس کا تصوُّر آگیا

مَیں نے تو کچھ بھی نہ کی تھی جی کی بات
پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

پی گئی کتنوں کا لوُہو، تیری یاد
غم ترا کتنے کلیجے کھا گیا

مِٹ گئی تھی اُس کے جی سے تو جھجھک
دَرؔد! کچھ کچھ بک کے تو، چونکا گیا

دُنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا
پر، مُنہ پھر اِس طرف نہ کیا اُن نے جو گیا

پھرتی ہے میری خاک، صبا دَر بہ دَر لیے
اَے چشمِ اشک بار! یہ کیا تجھ کو ہو گیا

آگاہ اِس جہاں سے نہیں غیر بے خوداں
جاگا وہی، اِدھر سے جو موُند آنکھ سو گیا

طوُفانِ نوُح نے تو ڈُبائی زمیں فقط
مَیں ننگِ خلق ساری خُدائی ڈُبو گیا

برہم کہیں نہ ہو گل و بُلبل کی آشتی
ڈرتا ہوُں، آج باغ میں وہ تُند خوُ گیا

واعظِ کسے ڈرائے ہے یوُمُ الحِساب سے
گرِیہ مرا تو نامۂ اَعمال دھو گیا

پُھولے گی اس زباں میں بھی گلزارِ معرفت
یہاں مَیں زمینِ شعر میں یہ تُخم بو گیا

آیا نہ اِعتدال پہ ہرگز مزاجِ دہر
مَیں گرچہ گرم و سردِ زمانہ سمو گیا

اَے دردؔ! جس کی آنکھ کُھلی اِس جہان میں
شبنم کی طرح، جان کو اپنی وہ رُو گیا

تُجھی کو جو یہاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دُنیا کو دیکھا نہ دیکھا

مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ
کہ جس کو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو' آہ بے گانگی میں
کوئی دوسرا اَور ایسا نہ دیکھا

اذیت، مُصیبت، مَلامت، بَلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سَرَوِ چراغاں
کبھو تو' نے آکر تماشا نہ دیکھا

تَغافُل نے تیرے، یہ کچھ دن دِکھائے
اِدھر تو' نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

حجابِ رخِ یار تھے آپ ہم ہی
کُھلی آنکھ جب، کوئی پردا نہ دیکھا

شب و روز اَے دردؔ! درپے ہوں اُس کے
کِسو نے جسے یہاں نہ سمجھا نہ دیکھا

اب دل کو سنبھالنا ہے مشکل
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا

آنسو مرے جو انھوں نے پونچھے
کل دیکھ رقیب جل گیا تھا

شب تک جو ہُوا تھا وہ ملائم
اپنا بھی تو جی پگھل گیا تھا

میں جو پچھا کبھو آؤ گے؟ کہا
جی میں آجائے گی تو آیئے گا

زلف میں دل کو تو الجھاتے ہو
پھر اسے آپ ہی سلجھایئے گا

خدمت اوروں ہی کو فرماتے ہو
کبھو بندے کو بھی فرمایئے گا؟

جو اِس طرح غیروں سے ملتا پھرے ہے
کبھو تو ہمارا بھی وہ آشنا تھا

کہا مَیں، مرا حال تم تک بھی پہنچا
کہا تب، اُچٹتا سا کچھ مَیں سُنا تھا

تم آکر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے
نگاہوں میں جادُو سا کچھ کر دیا تھا

بلائیں جو کچھ اُس کے ملنے سے دیکھیں نہ ملتے تو اَے دردؔ! اِس سے بھلا تھا

کُڑھنے پہ مرے، جی نہ کُڑھا، تیری بلا سے اپنا تو نہیں غم مجھے، غم خوار ہوں تیرا

تو، چاہے نہ چاہے، مجھے کچھ کام نہیں ہے آزاد ہوں اِس سے بھی، گرِفتار ہوں تیرا

تو، ہووے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم تو، گُل ہے مری جان! تو مَیں خار ہوں تیرا

ہے عشق سے میرے یہ ترے حُسن کا شُہرہ مَیں کچھ نہیں، پر، گرمیِ بازار ہوں تیرا

میری بھی طرف تو کبھو آ جا مرے یوسفؔ! بُڑھیا کی طرح مَیں بھی خریدار ہوں تیرا

اَے دردؔ! مجھے کچھ نہیں اب اَور تو آزار اُس چشم سے کہہ دینا کہ بیمار ہوں تیرا

رُو بیٹھے گا میری ہی طرح دین کو اپنے کافر! جو ترے ساتھ مسلمان مِلے گا

یوں وعدے ترے، دل کی تسلّی نہیں کرتے تسکیں تبھی ہووے گی جس آن مِلے گا

اَے دردؔ! کہا مَیں نے، مِلو جس سے کہ چاہو کہنے لگا، تجھ سا کوئی انسان مِلے گا

مِرے دل کو جو تو، ہر دم بھلا اِتنا ٹٹولے تھا
تصوُّر کے سوا تیرے، بتا تو اِس میں کیا نکلا

مری تعریف کی تھی اُس سے بعضوں نے سو اب مل کر
لگا کہنے، جو سُنتے تھے، وہ اپنا آشنا نکلا

ترے کہنے سے، مَیں از بس کہ باہر ہو نہیں سکتا
اِرادہ صبر کا کرتا تو ہوں، پر ہو نہیں سکتا

کہا جب مَیں : ترا بوسہ تو جیسے قند ہے پیارے!
لگا تب کہنے، پر، قندِ مکرّر ہو نہیں سکتا

دلِ آوارہ اُلجھے یہاں کسو کی زُلف میں یارب!
علاج آوارگی کا اِس سے بہتر ہو نہیں سکتا

مری بے صبریوں کی بات سُن سب سے وہ کہتا ہے
تحمّل مجھ سے بھی تو حال سُن کر ہو نہیں سکتا

کرے کیا فائدہ ناچیز کو، تقلید اچھوں کی
کہ جم جانے سے کچھ اُولا تو گوہر ہو نہیں سکتا

بچوں کس طرح مَیں اَے دردؔ! اُس کی تیغِ ابرُو سے
کہ جس کے سامنے آ، کوئی جاں بر ہو نہیں سکتا

اِک عُمر سے اَسیر ہوں زُلفِ دراز کا
ہے کوتہی اجل کی طرف سے ہی، ورنہ مَیں

شمعِ حرم بھی دے ہے ماتھے پہ اپنے ٹیکا
پھیلا ہے کُفر یہاں تک کافر ترے سبب سے
پروانہ وار، جی ہی جاتا رہا کئی کا
جوں شمع، تو نے جیدھر نظریں اُٹھا کے دیکھا

اہلِ زمانہ آگے بھی تھے اَور زمانہ تھا
پر اب جو کچھ ہے، یہ تو کسو نے سُنا نہ تھا
باوَر نہیں ابھی تجھے غافل! پہ عنقریب
معلوم ہووے گا کہ یہ عالَم فسانہ تھا

اَے شبِ ہجر! نہیں ہے یہ سیاہی تیری
خون گردن پہ ہے تیری، کسی سودائی کا
نام سُنتا نہیں زاہد! تری حُرمت کا کوئی
شور ایسا ہے جہاں میں مِری رُسوائی کا

کہاں کا ساقی اَور مینا، کدھر کا جام و مے خانا
مثالِ زندگی بھر لے اب اپنا آپ ہی پیمانا
کسو سے کیا بیاں کیجے اِس اپنے حالِ ابتر کو
دل اُس کے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا
نظر جب دل پہ کی، دیکھا تو مسجودِ خلائق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے کوئی سمجھے ہے بُت خانا

اَے شمع رُو! زبَس کہ ترا انتظار تھا
مَیں ایک سا ہی شُعلہ صِفت بے قرار تھا
مُدّت کے بعد خط سے یہ ظاہر ہُوا کہ عشق!
تیری طرف سے حُسن کے دل میں غبار تھا

وہ دن کِدھر گئے کہ ہمیں بھی فَراغ تھا
یعنی کبھو تو اپنے بھی دل تھا، دماغ تھا
جلتا ہے اب پڑا خس و خاشاک میں مِلا
وہ گُل کہ ایک عمر چمن کا چراغ تھا
گُزروں ہوں جس خَرابے پہ، کہتے ہیں وہاں کے لوگ
ہے کوئی دن کی بات، یہ گھر تھا، یہ باغ تھا

کچھ کشِش نے تری، اثر نہ کیا
تجھ کو اَے اِنتظار! دیکھ لیا
تشنگی اَور بھی بھڑکتی گئی
جوں جوں مَیں آنسوؤں کو اپنے پیا

زُلفوں میں کسی کی جو گرفتار نہ ہوتا
کچھ کام مجھے تجھ سے شبِ تار! نہ ہوتا

مرنا ہی لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں! گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ایک تو ہوں شکستہ دل، تِس پہ یہ جَور، یہ جفا
سختیِ عشق، واہ وا! جی نہ ہُوا، سِتم ہوا

جان کے بدلے، میرے ساتھ وعدۂ یک نگاہ تھا
سُو بھی نہ تجھ سے ہو سکا، مُفت ہی مُفت جی لیا

جَلوہ تو ہر اِک طرح کا، ہر شان میں دیکھا جو کچھ کہ سُنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا
جوں غُنچہ، بہ جز یک دِل صد چاک نہ پایا مُنہ ڈال کے جب اپنے گرِیبان میں دیکھا

ناصح! مَیں دین و دل کے تئیں اب تو کھو چکا حاصل نصیحتوں سے؟ جو ہونا تھا، ہو چکا
زاہد کیا کرے ہے وضو گو کہ روز و شب چاہے کہ دل سے دھووے کدُورت سو دھو چکا

مُحبّت نے ہم کو ثمر جو دیا سُو یہ ہے کہ سب کام سے کھو دیا

شکوہ تجھے کِس سے ہے، گِلہ کس سے یہ ٹھانا مانندِ فلک، اپنی ہی گردِش ہے زمانا

ہم نے چاہا بھی پر اُس کوچے سے آیا نہ گیا وہاں سے جوں نقشِ قدم، دل تو اُٹھایا نہ گیا

فلک پر، کون کہتا ہے، گزر آہِ سحر! کرنا
جہاں جی چاہے وہاں جا، پر، کسی دل میں اثر کرنا

یہ آئنہ، ہے جلوہ فروش اُس جمال کا	پیار خَلق کرتی ہے حق کے کمال کا

زباں کا اب ہُوا معلوم جوہر، تیغ ہے گویا	مخالف کٹ گئے، سُنتے ہی مجلس میں سُخن میرا

پھر مجھ پہ مہربان ہُوا تو، غضب ہُوا	بارے مجھے بتا تو سہی، کیا سبب ہُوا

مجھے شِکوہ ہے اَے ظالم! اِس اپنی سخت جانی کا	گِلہ کرتا نہیں کچھ مَیں تری نامہربانی کا

تھا عدم میں بھی مجھے اک پیچ و تاب	مُضطَرب ہو جس طرح مَوجِ سَراب
موت ہے آسائشِ اُفتادگاں	چشمِ نقشِ پا کو، مٹ جانا ہے خواب
کیوں نہ ہو شرمندۂ روے زمیں	سَیلِ اشک ایسا نہیں خانہ خراب

وہ مُوکمر کہیں تو ہُوا بے حجاب رات
تھا مِثلِ زُلف، دل کو عجب پیچ و تاب رات
ہم روسیاہ، دن کو تو کیا مُنہ دِکھا سکیں
جوں شمع چاہتے ہیں کہ ہووے شِتاب رات
تیری گلی میں، اَے بُتِ بے مہر! دن کی طرح
لایا تھا پھر مجھے دلِ خانہ خراب، رات

میرے گناہ آتے ہیں کوئی شمار میں؟
اَے دَرؔد! مَیں نے جی میں کیا تھا حساب رات

جائیے کِس واسطے اَے دَرؔد! میخانے کے بیچ
اَور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

آئنے کی طرح غافل! کھول چھاتی کے کواڑ
دیکھ تو، ہے کون بارے، تیرے کاشانے کے بیچ

سیر باغ و بوستاں تو ہے مُیَسَّر ہر گھڑی
آیئے گاہے فقیروں کے بھی ویرانے کے بیچ

جو مزے ہیں مرگ میں، سُو ہم سے پوُچھا چاہیے
کون جانے آہ! کیا لذّت ہے مر جانے کے بیچ

پیچ و تاب اِتنا جو ہے یہاں اِس دلِ صد چاک کو
زُلف اُلجھی ہے کسو کی ظاہرا شانے کے بیچ

مذکوٗر جب چلے ہے مرا انجمن کے بیچ
کچھ آپ ہی آپ سوچ وہ رہتا ہے من کے بیچ

تجھ کو نہیں ہے دیدۂ بینا وگرنہ یہاں
یوسف چُھپا ہے آن کے ہر پَیرَہن کے بیچ

اَے بے خبر! توٗ آپ سے غافل نہ بَیٹھ رہ
جوٗں شعلہ یہاں ہمیشہ سفر ہے وطن کے بیچ

کیوں کر مَیں خاک ڈالوں سوزِ دلِ تپاں پر
مانندِ شمع، میرا کب حکم ہے زَباں پر

چاہے کہ بات جی کی، مُنہ پر نہ آئے میرے
اپنے دَہن کو لاکر رکھ دے مرے دَہاں پر

اُس قدر تھا یا کرم، یا ظلم رانی اِس قدر
مہربانی اُس قدر، نامہربانی اِس قدر

کیا کہوں دل کا کِسو سے قصۂ آوارگی
کوئی بھی بے رَبط ہوتی ہے کہانی اِس قدر؟

حیرت ہے یہ، کہ تجھ سے ستم گر کے ہاتھ میں
آنکھوں نے دل کو کیوں کے دِیا دیکھ بھال کر

اَے درد! کر ٹک آئنۂ دل کو صاف تُو
پھر ہر طرف نظارۂ حُسن و جمال کر

ہنس قبر پہ میری کھلکھلا کر
یہ پھول چڑھا کبھو تو آکر

کیا ہُوا مرگئے، آرام ہے دُشوار ہنوز
جی میں تڑپھے ہے پڑی حسرتِ دیدار ہنوز

ہے خیال اُس کی ہی زُلفوں کا دمِ آخر بھی
بندھ رہا ہے مرے دل میں تو وہی تار ہنوز

اَور تو چھُوٹ گئے مر کے بھی، اَے کُنجِ قفس!
ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار، ہنوز

یار جاتا تو رہا نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتی ہے مرے، دردؔ! وو رفتار ہنوز

سو سو طرح کی ہجر میں ہوتی ہے جاں کنی
مرتا نہیں ہوں تو بھی تو مَیں سخت جاں ہنوز

ہر چند کُہنہ سال ہے دُنیا تو کس قدر
آتی ہے پر نظر میں سبھوں کی جواں ہنوز

کعبے میں، دردؔ! آپ کو لایا ہوں کھَینچ کر
دل سے گیا نہیں ہے خیالِ بُتاں ہنوز

کرتا رہا مَیں دیدۂ گریاں کی اِحتیاط پر، ہو سکی نہ اشک کے طوفاں کی اِحتیاط
خارِ مژہ پڑے ہیں مرے، خاک میں مِلے اَے دشت! اپنے کیجیو داماں کی اِحتیاط
جُوشِ جُنوں کے ہاتھ سے، فصلِ بہار میں گُل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی اِحتیاط
تیرے ہی دیکھنے کے لیے آئنے کی طرح کرتا ہُوں اپنے دیدۂ حیراں کی اِحتیاط
دل کے تئیں گرِہ سے کبھو کُھولتی نہیں ہے زُلف کو بھی اپنے پریشاں کی اِحتیاط
داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے دردؔ، پَروَرِش ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی اِحتیاط

ناچار مجھ سے اُس سے تو قطعِ کلام ہے کرتا نہیں وہ بات، سوا گفتگوے تیغ
جاں باز اَور بھی ہیں، پر اَے اَبروانِ یار! میری طرح نہ ٹھہرے کوئی رُو بہ رُوے تیغ
پیاسی مرے لہو کی وہ رہتی ہے دَم بہ دَم بَرلایئے کبھو تو میاں! آرزوے تیغ
کوئی مزاج داں نہ ہُوا آج تک، مگر اک اُس کی خُوے تُند سے ملتی ہے خُوے تیغ
اَے دردؔ، مِثلِ زخم، زمانے کے ہاتھ سے دیکھا نہ آنکھ کھول کے ہم، غیر روے تیغ

پیغام یاس بھیج نہ مجھ بے قرار تک ہُوں نیم جاں مَیں سو بھی ترے انتظار تک
صیاد! اب رِہائی سے کیا مجھ اسیر کو پھر کِس کو زندگی کی توقُّع بہار تک
راہِ عدم میں دردؔ! مَیں اِتنا ہُوں جَلد رَو پہنچا صَبا کا ہاتھ نہ میرے غبار تک

پھرتا رہا مَیں سعی میں اک عمر جُوں فلک
بختِ سیاہ، پر، نہ پھرے میرے اب تلک

چونکا ہوں دردؔ! جب سے اُسے دیکھ خواب میں
لگتی نہیں ہے تب سے پلک سے مری پلک

کچھ دل ہی باغ میں نہیں تنہا شکستہ دل
ہر غنچہ، دیکھتا ہوں تو ہے گا شِکستہ دل

ہاتھوں سے محتسب کے، ہیں اب مے کدے کے بیچ
ساغر شِکستہ خاطر و مینا شِکستہ دل

شادی کی اور غم کی، ہے دُنیا میں ایک شکل
گُل کو شگُفتہ دل کہو تم یا شِکستہ دل

کی جس کی جوں حَباب، زمانے نے دِل وہی
چھوڑا نہ پھر اُسے نہ کیا تا شِکستہ دل

یارب! دُرست گو نہ رہوں تیرے عہد پر
بندے سے پر نہ ہو کوئی بندا شِکستہ دل

لازِم ہے، گوشۂ شکنِ زُلف میں ترے
ظالم! کوئی پڑا رہے مجھ سا شِکستہ دل

سب خونِ دل ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
اَے دردؔ! بس کہ عشق سے مَیں تھا شِکستہ دل

بارے، یہ داغِ عشق ہُوا شہر یارِ دل
مُدّت سے بے چراغ پڑا تھا دیارِ دل

تیری کہیں گلی کے گیا تھا خیال میں
کرتا ہوں اب تلک مَیں پڑا انتظارِ دل

اُٹھتا ہے بعدِ مرگ بھی، مانندِ گردباد
اَے دردؔ! خاک سے مری اب تک غبارِ دل

پانی پر نقش کب ہے ایسا جیسے ناپائدار ہیں ہم
اوروں کے گو ہیں سرمہ چشم اپنے دل کے غبار ہیں ہم
کوئی کیوں کر نظر میں لاوے ننگ چشم شرار ہیں ہم
چشم عبرت سے دیکھ ایدھر نقش لوح مزار ہیں ہم
جیدھر گذرے، پھرے ادھر سے آواز کوہسار ہیں ہم
از بس ہیں محو لاتعین ہر جا بے اعتبار ہیں ہم

اب کی ترے در سے گر، گئے ہم پھر یہ ہی سمجھ کہ مر گئے ہم
جوں نورِ نظر، ترا تَصوُّر تھا پیشِ نظر، جدھر گئے ہم
جُز اہلِ صَفا، بتا تو، جوں عکس اَے آئینے! کس کے گھر گئے ہم
تھا عالَمِ جبر، کیا بتاویں کس طَور سے زیست کر گئے ہم
جس طرح ہُوا، اُسی طرح سے پیمانۂ عُمر بھر گئے ہم
افسوس کہ دردؔ! اُس کو جب تک ہووے ہے خبر، گذر گئے ہم

چمن میں صُبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم
بہار باغ گو یوُں ہی رہی، لیکن کدھر شبنم

عَرَق کی بوند، اُس کی زُلف سے رُخسار پر ٹپکی
تعجّب کی ہے جاگہ یہ، پڑی خورشید پر شبنم

ہمیں تو باغ، تُجھ بن، خانۂ ماتم نظر آیا
اِدھر گل پھاڑتے تھے جَیب، روتی تھی اُدھر شبنم

کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی
ہوئی آتش سے گُل کی، بیٹھتے، رشکِ شَرر شبنم

بھلا ٹک صُبح ہونے دو، اِسے بھی دیکھ لیویں گے
کسی عاشق کے رونے سے نہیں رکھتی خبر شبنم

نہ پایا، جو گیا اِس باغ سے، اَصلا سُراغ اُس کا
نہ پلٹی پھر صَبا ایدھر، نہ پھر آئی نظر شبنم

نہ سمجھا دردؔ! ہم نے بھید یہاں کی شادی و غم کا
سَحر خنداں ہے کیوں؟ رُوتی ہے کس کو یاد کر شبنم؟

خَلق میں ہیں، پر جُدا سب خَلق سے رہتے ہیں ہم
تال کی گِنتی سے باہر جس طرح رو پک میں سَم

گلیمِ بختِ سیہ سایہ دار رکھتے ہیں — یہی بِساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں
یہ کِس نے ہم سے کیا وعدۂ ہم آغوشی — کہ مِثلِ بحر سَراسَر کنار رکھتے ہیں
بَلا ہے نشۂ دُنیا کہ تا قیامت، آہ! — سب اہلِ قبر اِسی کا خُمار رکھتے ہیں
جہاں کے باغ سے ہم، دل سِوا نہ پھل پایا — فقط یہی ثمرِ داغ دار رکھتے ہیں

بہ رنگِ شعلہ، غمِ عشق ہم سے رَوشن ہے
کہ بے قراری کو ہم برقرار رکھتے ہیں

ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگیِ مُستعار رکھتے ہیں

فلک! سمجھ تو سہی، ہم سے اَور گلوگیری!
یہ ایک جَیب ہے، سُو تار تار رکھتے ہیں

نہ برق، ہیں نہ شرر ہم، نہ شعلہ، نَے سیماب
وہ کچھ ہیں پر، کہ سدا اِضطرار رکھتے ہیں

جنھوں کے دل میں جگہ کی ہے نقشِ عبرت نے
سدا نظر میں وہ لَوحِ مزار رکھتے ہیں

ہر ایک سنگ میں ہے شوخیِ بُتاں پنہاں
خنک ہیں سب یہ، پہ دل میں شَرار رکھتے ہیں

وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں رہتا
اگر چہ دردؔ! اُسے ہم ہزار رکھتے ہیں

مِژگانِ تر ہوں، یا رگِ تاکِ بُریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سُو ہوں غَرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دُور آپ کو، میری فروتنی
اُفتادہ ہوں، پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں

ہر شام مِثلِ شام ہوں مَیں تیرہ روزگار
ہر صُبح، مثلِ صبح گریباں دَریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گُل تو، مرے ساتھ اِختلاط
پر آہ! مَیں تو مَوجِ نسیمِ وزیدہ ہوں

یہ چاہتی ہے تو، تپشِ دل! کہ بعدِ مرگ
کُنجِ مزار میں بھی نہ مَیں آرمیدہ ہوں

اَے دردؔ! جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
مَیں غم زدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

آہ! مشتاق ترے، مُفت مُوے جاتے ہیں
اک نظر بھُولے سے بھی ہووے تو جی پاتے ہیں

گو سلامت ہوں مَیں ظاہر میں، پہ دل کے خطرات
رات دن گھُن کی طرح میرے تئیں کھاتے ہیں

ہم سے بے کاروں سے بہتر ہیں یہ اہلِ اَشغال
ہر طرح دل کے تئیں اپنے تو بہلاتے ہیں

گر دیکھیے تو مَظہرِ آثارِ بقا ہوں
ور سمجھیے جوں عکس مجھے، محوِ فنا ہوں

کرتا ہوں پس از مرگ بھی حل مُشکلِ عالَم
بے حِس ہوں، پہ ناخن کی طرح عُقدہ کُشا ہوں

ممنون مرے فیض کے سب اہلِ نظر ہیں
جوں نُور، ہر اک چشم کو دیدار نُما ہوں

ہے مَظہرِ انوارِ صَفا، میری کدُورت
ہر چند کہ آہَن ہوں، پہ آئینہ بنا ہوں

اَحوالِ دو عالَم ہے مرے دل پہ ہُوَیدا
سمجھا نہیں تا حال پر اپنے تئیں، کیا ہوں

آواز نہیں قید میں زنجیر کی ہر گز
ہر چند کہ عالَم میں ہوں، عالَم سے جُدا ہوں

ہوں قافلہ سالارِ طریقِ قُدَما دَرؔد!
جوں نقشِ قدم، خَلق کو یہاں راہ نُما ہوں

انساں کی ذات سے ہی خدائی کے کھیل ہیں — بازی کہاں، بِساط پہ گر شاہ ہی نہیں
سَو رنگ سے ہیں جلوہ نُما گو بُتانِ خَلق — اپنا ترے سِوا کوئی دل خواہ ہی نہیں

اَے دردؔ! مِثلِ آئنہ ڈھونڈھ اُس کو آپ میں　　بیرونِ در تو اپنی قدم گاہ ہی نہیں

ہستی ہے جب تک، ہم ہیں اِسی اِضطراب میں
جوں موج آپھنسے ہیں عجب پیچ و تاب میں

نَے خانۂ خُدا ہے، نہ ہے یہ بُتوں کا گھر
رہتا ہے کون اِس دلِ خانہ خَراب میں

آئینۂ عدم ہی میں ہستی ہے جَلوہ گر
ہے مَوج زَن تمام یہ دریا، سَراب میں

غافل! جہاں کی دید کو مُفتِ نظر سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہے اِس عالَم کو خواب میں

ہر جُز کو، کُل کے ساتھ، بہ معنیٰ ہے اِتّصال
دریا سے دُر جُدا ہے پہ ہے غَرق آب میں

پیری نے مُلکِ تَن کو اُجاڑا، وگرنہ یہاں
تھا بندوبست اور ہی عہدِ شباب میں

ہم تجھ سے، کِس ہَوس کی فلک! جُستجو کریں　　دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مِٹ جائیں ایک آن میں کثرت نُمائیاں　　ہم آئنے کے سامنے جب آ کے ہُو کریں

تردامنی پہ شیخ! ہماری نہ جا، ابھی　　دامن نچوڑ دیں، تو فرشتے وضو کریں

سر تا قدم زَبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم　　پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

ہر چند آئنہ ہوں پر اِتنا ہوں ناقبول　　مُنہ پھیر لے وہ، جس کے مجھے رُو بہ رُو کریں

نَے گُل کو ہے ثبات، نہ ہم کو ہے اِعتبار
کس بات پر چمن! ہوسِ رنگ و بوٗ کریں

اِدھر بات کہنا، اُدھر دیکھ لینا
سمجھتا ہوں سب ایک عیّار مَیں ہوں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے مَیں اپنی خبر کہیں

آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جی بتنگ
جیتا رہے گا کب تلک اَے خِضر! مَر کہیں

پھرتی رہی تڑپتی ہی عالَم میں جا بہ جا
دیکھا نہ میری آہ نے رُوے اثر کہیں

مدّت تلک جہان میں ہنستے پِھرا کیے
جی میں ہے، خوب روئیے اب بَیٹھ کر کہیں

ظالم جَفا جو چاہے سُو کر مجھ پہ توٗ، وَلے
پچھتاوے پھر تو آپ ہی، ایسا نہ کر کہیں

پھرتے تو ہُو بنائے سج اپنی جِدھر تِدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کِسو کی نظر کہیں

پوٗچھا مَیں دردؔ سے کہ بتا توٗ سہی مجھے
اَے خانماں خراب! ہے تیرا بھی گھر کہیں؟

یاوری دیکھیے نصیبوں کی
دوست بھی ہو گئے مرے دشمن

ساقی! اِس وقت کو غنیمت جان
پھر نہ مَیں ہوں، نہ توٗ، نہ یہ گلشن

وہ زخود رفتہ ہوں کہ میرے تئیں
نہ خیالِ سفر، نہ یادِ وطن

کیا کہوں اپنی مَیں سیہ بختی
حالِ دل تجھ پہ ہووے گا رَوشن

بعد مدّت کے دردؔ! کل مجھ سے
مل گیا راہ میں وہ غُنچہ دہن

باغِ جہاں کے گُل ہیں یا خار ہیں، تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں، اَغیار ہیں تو ہم ہیں

دریائے معرفت کے، دیکھا تو ہم ہیں ساحل
گر وار ہیں تو ہم ہیں، در پار ہیں تو ہم ہیں

وابستہ ہے ہمھی سے، گر جبر ہے وگر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں، مختار ہیں تو ہم ہیں

تیرا ہی حُسن جگ میں ہر چند موج زن ہے
تِس پر بھی تشنہ کامِ دیدار ہیں تو ہم ہیں

ہووے گب وحدت میں کثرت سے خلل
جسم و جاں گو دو ہیں، پر ہم ایک ہیں

متفق آپس میں ہیں اہلِ شہود
دردؔ! آنکھیں دیکھ، باہم ایک ہیں

ہماری اتنی ہی تقصیر ہے کہ اَے زاہد!
جو کچھ ہے دل میں ترے، ہم وہ فاش کرتے ہیں

مزاجِ نازکِ دل سے اگر مکدّر ہو
یہ آئنہ ہم ابھی پاش پاش کرتے ہیں

یہ تیرے شعر ہیں اَے دردؔ، یا کہ نالے ہیں
جو اِس طرح سے دلوں کو خراش کرتے ہیں

کام مَردوں کے جو ہَیں، سُو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنی جو کوئی کہ گُزر جاتے ہیں

مَوت! کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مَرنے سے آگے ہی، یہ لوگ تو مَر جاتے ہیں

دید وادید جو ہو جائے، غنیمت سمجھو
جوُں شَرر، ورنہ ہم اَے اہلِ نظر! جاتے ہیں

آنکھیں اِس بزم میں سینکی ہیں جنھوں نے ٹک بھی
شمع کی طرح گرِیباں لیے تر جاتے ہیں

ہم کسی راہ سے واقف نہیں، جوں نُورِ نظر
رہنُما تو' ہی تو ہوتا ہے، جدھر جاتے ہیں

اَے رگِ ابر! یہ مِژگاں بھی اگر ٹک بَرسیں
ایک پل میں کئی تالاب تو بھر جاتے ہیں

تاقیامت نہیں مِٹنے کے دلِ عالَم سے
دردؔ! ہم اپنے عِوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

اپنی قسمت کے ہاتھوں داغ ہوں مَیں — نَفَسِ عیسوی! چراغ ہوں مَیں
ہوں فُتادہ بہ رنگِ نقشِ قدَم — رَفتگاں کا مگر سُراغ ہوں مَیں
دونوں عالَم سے کچھ پرے ہے نظر — آہ! کِس کا دل و دماغ ہوں مَیں
مَیں ہوں گلچینِ گلستانِ خلیل — آگ میں ہوں، پہ باغ باغ ہوں مَیں
عینِ کثرت میں، دیدِ وحدت ہے — قَید میں دردؔ! بافَراغ ہوں مَیں

مَرتا نہیں ہوں کچھ مَیں اُس سخت دل کے ہاتھوں
پِستا ہوں آپ ہی اپنے کم بخت دل کے ہاتھوں

نالاں نہیں ہے تنہا اِس راہ میں جرس! تو'
روتے گئے ہیں کتنے یک لخت دل کے ہاتھوں

دامنِ دشت ہے پُر لالۂ وگُل سے، یارب! خوُنِ عاشق بھی کہیں ہووے بہارِ دامن

کیوں نہ ڈُوبے رہیں یہ دیدۂ تر پانی میں یہاں بَنا مِثلِ حَباب اپنا تو گھر پانی میں
اشک سے میرے فقط دامنِ صَحرا نہیں تر کوہ بھی سب ہیں کھڑے تا بہ کمر پانی میں
مردُمِ دیدہ مرے، اشک میں جوُں رہتے ہیں کب یہ گذران کرے اَور بَشر پانی میں
آتشِ مَے سے جو ساقی نے اُسے بھڑکایا زاہدِ خشک ہُوا خوُب ہی تر پانی میں
چشمۂ آب نہ ہو چشمۂ خورشید سے کم شعلہ رُو! تو، کبھو مُنہ دیکھے اگر پانی میں
عالَمِ آب میں جوُں آئینہ ڈُوبا ہی رہا تو بھی دامن نہ کیا دَرد نے تر پانی میں

معلوم نہیں آنکھیں یہ کیوں پھُوٹ بہی ہیں
رونے کی طرف کس لیے یوُں ٹُوٹ بہی ہیں
کشتی کی طرح، آنکھیں مری اشک میں، یارو!
جس تارِ نگہ سے بندھی تھیں، چھوٹ بہی ہیں
مَیں مِثلِ حَباب آنکھیں تو رُو رُو کے بہا دیں
پر وہ یہی کہتا ہے سدا جھوٹ بہی ہیں

گھر تو دونوں پاس ہیں، لیکن ملاقاتیں کہاں
آمد و رفت آدمی کی ہے، پہ وہ باتیں کہاں
بعد مَرنے کے مِرے، ہوگی مِرے رُونے کی قدَر
تب کہا کیجیے گا لوگوں میں، وہ برساتیں کہاں

مجھے دَر سے اپنے تو ٹالے ہے، یہ بتا مجھے تو' کہاں نہیں
کوئی اَور بھی ہے ترے سِوا، تو' اگر نہیں تو جہاں نہیں

پڑی جس طرف کو نگاہ یہاں، نظر آ گیا ہے خُدا ہی وہاں
یہ ہیں گو کہ آنکھوں کی پُتلیاں، مرے دل میں جائے بُتاں نہیں

مرے دل کے شیشے کو، بے وفا! تو' نے ٹکڑے ٹکڑے ہی کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا، یہ دُکانِ شیشہ گراں نہیں

کوئی سمجھے کیوں کے یہ مُدَّعا، کہ پہیلی سا ہے یہ ماجَرا
کہا مَیں، تجھے نہیں چاہ کیا؟ لگا کہنے مجھ سے کہ "ہاں" نہیں

نہ مِلا ہمیں کوئی نکتہ داں، یہ سُناویں بَیت بھلا کہاں
نہ ہُوا سبھوں پہ وہی عَیاں، جو کسو سے یہاں تو نِہاں نہیں

تجھے دؔردؔ! کیوں کے سُناؤں مَیں، نہ خُدا کِسو کو دِکھاوے یہ
جو کچھ اپنے جی پہ گُزرتی ہے، کہوں کیا کہ اُس کا بَیاں نہیں

صورتوں میں خوب ہوں گی شَیخ! گو حُورِ بہشت
پر کہاں یہ شوخیاں، یہ طَور، یہ محبُوبیاں

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّو' بیاں

کون سی شب ہے کہ مِثلِ شمع جب کُھلتی ہے آنکھ
جائے اشک، آنکھوں سے اپنی، مَیں گرا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن اِدھر اُودھر بھٹکتے ہیں
جہاں چاہیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں
بتا وہ کون ہے جو تیری مجلس میں نہیں ہوتا
مگر یہ ایک ہم ہی ہیں کہ نظروں میں کھٹکتے ہیں

اَے ہجر! کوئی شب نہیں جس کو سحر نہیں ۔۔۔ پر، صُبح ہوتی آج تو آتی نظر نہیں
دل لے گیا، پر ایک نہ کی اِس طرف نگاہ ۔۔۔ ایسا تو دِل بَروں میں کوئی مُفت بَر نہیں

مرے ہاتھوں کے ہاتھوں، اَے عزیزاں! ۔۔۔ گرِیباں چاک ہے، چاکِ گرِیباں
کُھلا ہے بابِ عرفاں جس کے اُوپر ۔۔۔ اُسے ہے ہر وَرق گُل کا، گُلِستاں
صَبا! جاتا ہوں گریاں مَیں چمن سے ۔۔۔ گُلوں کو باغ میں رکھیو تو' خنداں

زندگی جس سے عبارت ہے، سُو وہ زیست نہیں
یوُں تو کہنے کے تئیں کہیے، کہ ہاں، جیتے ہیں

دل تو سمجھائے سمجھتا بھی نہیں ۔۔۔ کہیے سَودائی، تُو سَودا بھی نہیں
اُس کی باتیں مجھ سے کیا پوُچھو ہو تم ۔۔۔ مُدّتیں گزریں کہ دیکھا بھی نہیں

جس کے بِن دیکھے نہ نیند آتی ہمیں ۔۔۔ خواب میں بھی دیکھتے اُس کو نہیں
صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں ۔۔۔ ہے دفینہ حُسن کا زیرِ زمیں

آگے ہی بن سُنے تو، کہے ہے نہیں نہیں ـــ تجھ سے ابھی تو ہم نے وہ باتیں کہیں نہیں

وہ نگاہیں جو چار ہوتی ہیں ـــ برچھیاں ہیں کہ پار ہوتی ہیں

زُلفوں میں تو سدا سے یہ کج ادائیاں ہیں
آنکھوں نے پر اب اَور ہی آنکھیں دِکھائیاں ہیں

سَیر کر دُنیا کی غافِل، زندگانی پھر کہاں ـــ زندگی گر کچھ رہی، تو نَوجوانی پھر کہاں

شعر میرے میں دیکھنا مجھ کو ـــ ہے مرا آئنہ صفائے سُخن

ہردم بُتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں ـــ ہوتی ہے بُت پرستی اب تو خُدا کے گھر میں
ایسا ہی غم نے تیرے پامال کر دیا ہے ـــ کچھ دل رہا نہ دل میں، نے کچھ جگر، جگر میں

اُس ذِکر سے بھی مجھ کو کیا کام دل کے ہاتھوں ـــ لیتا نہیں کِسو کا مَیں نام دل کے ہاتھوں

نہیں ہم کو تمنا یہ، مَلک ہو تا فلک پہنچیں
یہی ہے آرزو دل کی، ترے قدموں تلک پہنچیں

نزع میں ہوں، پر وہی نالے کیے جاتا ہوں مرتے مرتے بھی ترے غم کو لیے جاتا ہوں

افسوس! اہلِ دید کو گُلشن میں جا نہیں نرگس کے گو کہ آنکھیں ہیں، پر سُوجھتا نہیں

شیخ! مَیں رشکِ بے گُناہی ہوں مَورِدِ رحمتِ اِلٰہی ہوں

خورشید کی مانند پھروں کب تئیں یارب! نِت صُبح کہیں ہووے مجھے، شام کہیں ہو
مَے خانۂ عالَم ہے وہ بے ربط کہ جس میں ہووے جو صُراحی کہیں، تو جام کہیں ہو
وعدے تو مرے ساتھ کیے تو' نے ہزاروں پَر ایک بھی اِتنوں میں سرَ انجام کہیں ہو
ہر چند نہیں صبر تجھے دردؔ! و لیکن اِتنا بھی نہ مِلیو کہ وہ بدنام کہیں ہو

کیا فرق داغ و گُل میں، اگر گُل میں بُو نہ ہو کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو' نہ ہو
جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا، مِلی مگر یہ آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو
اَے دردؔ! زنگِ صورت اگر اِس میں جا کرے اہلِ صَفا میں آئنۂ دل کو رُو نہ ہو

سمجھنا، فہم گر کُچھ ہے، طبیعی سے، اِلٰہی کو
شہادت، غَیب کی خاطر تو حاضر ہے گواہی کو
عَجب عالَم ہے، ایدھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہے
اُدھر سے نیستی آتی ہے دَوڑی عُذر خواہی کو

جاتی تو ہے تو، زُلف کے کُوچے میں، اَے صَبا! پر دیکھیو جو چھیڑے کسی بے دماغ کو
بس بارِ دل زیادہ نہ ہو حسرتِ چمن! کیدھر لیے پھروں گا مَیں گُل گشتِ باغ کو
کیا چُھپ رہی ہے پردۂ مینا میں دُختِ رَز! رَوشن کر اپنے جلوے سے چشمِ ایاغ کو
اَے دردؔ! رفتہ رفتہ کیا آپ کو بھی گُم اِس راہ میں چلا تھا مَیں کس کے سُراغ کو؟

اَور اَفزونی طلب کی، بعد مرنے کے ہوئی خاک ہونے نے کیا ہر ذرّہ گرمِ جُستجو
تیری خوں آشامیاں مشہور ہیں اَے تیغِ ناز! ایک قطرہ چھوڑے تو پیوے ہمارا ہی لَہو
جس طرح سے صُبح کو ہوتا ہے بے رَونق چراغ دیکھ تجھ کو، اُڑ گیا گُلشن میں گُل کا رنگ و بوُ
صُورتِ تقلید میں کب معنیِ تحقیق ہیں رنگ گو ہے، پر گُلِ تصویر میں کیدھر ہے بوُ
سیکڑوں ہی تخم سے اِس باغ میں نکلے نِہال تُخمِ دل کی بَر نہ آئی دردؔ! لیکن آرزوُ

مِلاؤں کِس کی آنکھوں سے کہو اِس چشمِ حَیراں کو
عَیاں جب ہر جگہ دیکھوں اُسی کے نازِ پنہاں کو
تجھے اَے شمع! کیا دیکھیں، زمانے کو دِکھانا ہے
ہمیں جوُں کاغذِ آتَش زَدہ اَور ہی چراغاں کو
جُھمکتے ہیں ستاروں کی طرح سُوراخ سینے کے
چُھپایا گو کہ جوُں خورشید مَیں داغِ نُمایاں کو

نہ مطلب ہے گدائی سے، نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو
اِلٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مَرضیِ اِلٰہی ہو

نگینے کے سِوا، کوئی بھی ایسا کام کرتا ہے
کہ ہو نام اَور کا رَوشن اَور اپنی رُو سِیاہی ہو
نہیں شِکوہ مجھے کچھ بے وفائی کا تری ہرگز
گِلہ تب ہو اگر تو، نے کِسو سے بھی نِباہی ہو

اپنے بندے پہ جو کچھ چاہو سُو بیداد کرو   یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں ہوں سِتم دیدہ
گر دِل ہوں تو آزُردہ، خاطِر ہوں تو رنجیدہ
ہم گلشنِ دَوراں میں اَے خُفتگیِ طالعِ!
سرسَبز تو ہیں لیکن جوں سَبزۂ خوابیدہ
اَے شورِ قیامت! رہ اودھر ہی، مَیں کہتا ہوں
چَونکے ہے ابھی یہاں سے کوئی دلِ شوریدہ
اَوروں سے تو ہنستے ہو نظروں سے مِلا نظریں
ایدھر کو نِگہ کوئی پھینکی بھی تو دُزدیدہ
مجھ پر بھی تو یہ عُقدہ تو، کُھول صَبا، بارے
زُلفوں نے کِسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ
بدخواہ سبھی عالم گو ہووے تُو ہو لیکن
یارب! نہ کسی کے ہوں دُشمن یہ دل ودیدہ

رکھتی ہے میرے غُنچۂ دل میں وَطن گرہ
تجھ سے نہ کُھل سکے گی صَبا! یہ کٹھن گرہ
کیوں کر یہ کارِ عشق گرہ دَر گرہ نہ ہو
یہاں دل گرہ کی شکل ہے اَور وہاں دَہن گرہ

رَبط ہے نازِ بُتاں کو تو مری جان کے ساتھ
جی ہے وابَستہ مرا، اُن کی ہر اک آن کے ساتھ
درد! ہر چند مَیں ظاہر میں تو ہوں مورِ ضعیف
زُور نسبت ہے وَلے مجھ کو سُلیمان کے ساتھ

کاش تا شمع نہ ہُوتا گُزرِ پَروانہ
تم نے کیا قہر کیا بال و پرِ پَروانہ
شمع کے صدقے تو ہوتے ابھی دیکھا تھا اُسے
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثرِ پَروانہ
گر ترا حُسنِ برِشتہ نظر آجائے اُسے
نِت رہے آگ میں سُوزِ جگرِ پَروانہ
کیوں اُسے آتَشِ سُوزاں میں لیے جاتی ہے
سُوجھتا بھی ہے تجھے کچھ، نظرِ پَروانہ
شمع بھی جل کے بجھی، صُبح نَمودار ہوئی
پوُچھوں اب دَرد، مَیں کِس سے خبرِ پَروانہ

خوش خِرامی اِدھر بھی کیجیے گا
مَیں بھی جوُں نقشِ پا ہوُں چشم بہ راہ
کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں! دل میں
برچھی سی لگتی ہے، وہ ترچھی نگاہ
شَوخ تو اَور بھی ہیں دُنیا میں
پر، تری شوخی کچھ عَجب ہے واہ
ہر گھڑی کان میں وہ کہتا ہے
کوئی اس بات سے نہ ہو آگاہ
دَرد اپنی طرف سے حاضر ہے
آگے پھر ہے تمھارے ہاتھ نِباہ

شب وروز اِس طرح گزرے ہے اپنی تو، نہ پوچھو کچھ
صُراحی صُبح کو گر ہاتھ ہے تو شام ہے شیشہ

نگاہِ مست اِن آنکھوں کی، ٹک ادھر بھی ہو ساقی
کہ ہم کم حَوصلوں کے حق میں ہر یک جام ہے شیشہ

تجلّی پر نظر کر اُس کی، کوہِ طوُر ہے شیشہ
بھرا مَے سے نہیں یہ، نُور سے معمُور ہے شیشہ

قصۂ زُلفِ یار کیا کہیے
ہے دراز، اَور عُمر ہے کوتاہ

نالۂ دل! مَیں لیے تجھ کو پھرا شہر بہ شہر
آہ، پر تو نے نہ کی ٹک دلِ تاثیر میں راہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے، تو بھی خُدا کو دیکھ
آہن ہو یا ہو سنگ، ہے سب جَلوہ گاہِ یار
جوُں آئینہ ہر ایک گذر میں صَفا کو دیکھ

خَلوتِ دل میں کر دیا اپنے حواس نے خَلَل
حُسن، بَلائے چشم ہے، نغمہ، وَبالِ گوش ہے
نالہ و آہ کیجیے، خونِ جگر ہی پیجیے
عہدِ شباب، کہتے ہیں، موسَمِ ناوَ نُوش ہے
کس کی یہ ہوتی ہے صَبا! گفت وشُنید باغ میں
غُنچے سبھی دَہان ہیں گُل بھی تمام گوش ہے
آتشِ گُل، جُوں مرا گرم کرے، سُو یہ نہیں
سینہ ہمیشہ آگ ہے، دل میں سدا ہی جوش ہے

کیا کیا اَے مری وَفا! تو' نے اُس کو سکھلائی یہ جَفا تو' نے

اہلِ فنا کو، نام سے ہستی کے، ننگ ہے
لَوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

حیرت زدہ نہیں ہے فقط تو' ہی آئینے!
یہاں تک بھی جس کی آنکھ کُھلی ہے سو دنگ ہے

اِس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اَے نشۂ ظہور! یہ تیری ترنگ ہے

کب ہے دماغ عِشقِ بُتانِ فرنگ کا
مجھ کو تو اپنی ہستی ہی قیدِ فرنگ ہے

عالَم سے اِختیار کی، ہر چند صُلحِ کُل
پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

مَیں کیا کہوں، تجھے نظر آتا نہیں ہے کیا؟
اِس گُلشنِ جہان کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہے

وَحدت نے ہر طرف ترے جَلوے دِکھا دیے
پردے تعینات کے جو تھے، اُٹھا دیے

ہوں کُشتۂ تغافُلِ ہستیِ بے ثَبات
خاطر سے کون کون نہ اِن نے بھلا دیے

عَنقا کی طرح، جتنے تھے یہاں نام وَر فلک!
تو' نے، خدا ہی جانے کہ کیدھر اُڑا دیے

پگھلا دلِ اثر نہ مرے حال پر کبھی
ہر چند روتے روتے مَیں نالے بہا دیے

عالَم میں جتنے پاک گُہر تھے سُو ایک ایک
اُولے سے، روزگار نے یوُں ہی گُھلا دیے

اَبرِ مژہ! یہ چشم تو کیا ہیں کہ گھر کے گھر
تو' نے برس برس کے ہزاروں ڈھا دیے

دونوں جہان کی نہ رہی پھر خبر اُسے
دو پیالے تیری آنکھوں نے جس کو پلا دیے

اَے شورِ حشر! گَردشِ دَوراں نے، اہلِ قبر
ٹک بھی نہ سُونے پائے کہ وو ہیں جگا دیے

چاہُو وَفا کرو نہ کرو، اِختیار ہے
خطرے جو اپنے جی میں تھے، وہ سب اُٹھا دیے

سیلابِ اشکِ گرم نے، اَعضا مرے تمام
اَے دردؔ! کچھ بہا دیے اَور کچھ جَلا دیے

گر باغ میں خنداں وہ مرا لب شکر آوے
گُل سامنے، دامان سے مُنہ ڈھانپ کر آوے

لوٹے ہے ترے گنجِ شہیداں کو غریبی
جی دینے کو ظالم! کوئی کس بات پر آوے

زاہد کو جتا دیجیو، بے خود ہیں یہ رِنداں
آتا ہے تو خودداری کو گھر میں ہی دھر آوے

کہتے ہیں کہ یک دست تری تیغ چلے ہے — تب جانیے جب یک دو قدم چل اِدھر آوے

سُناؤں کیوں کے اپنا حال مَیں، کیا سخت مشکل ہے
یہ قصّہ جب لگوں کہنے، تو اُس کو نیند آتی ہے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے
مشکل ہے، جی میں بَیٹھے سُوجی سے نکل سکے

نشو و نما کی کس کو اُمید اَے بہار! یہاں
مَیں خشک شاخ ہوں کہ نہ پھُولے نہ پھل سکے

دیتے عَبث ہو شیشہ گراں! سنگ کو گداز
پگھلایئے جو تم سے کوئی دِل پگھل سکے

اَرض و سما، کہاں تری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو، سما سکے
وَحدت میں تیری، حرف دُوئی کا نہ آ سکے — آئینہ، کیا مجال، تجھے مُنہ دِکھا سکے
مَیں وہ فُتادہ ہوں کہ بغیر از فَنا مجھے — نقشِ قَدم کی طرح نہ کوئی اُٹھا سکے
قاصد! نہیں یہ کام ترا، اپنی راہ لے — اُس کا پیام دل کے سِوا کون لا سکے
غافل! خُدا کی یاد پہ مت بھُول زینہار — اپنے تئیں بھُلا دے اگر تو، بھُلا سکے
یارب! یہ کیا طِلسم ہے اِدراک و فَہم یہاں — دَوڑے ہزار، آپ سے باہر نہ جا سکے
گُو بحث کر کے بات بِٹھائی بھی، کیا حصول — دل سے اُٹھا خِلاف اگر تو، اُٹھا سکے
اِطفاے نارِ عشق نہ ہو آبِ اشک سے — یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مستِ شرابِ عشق وہ بے خود ہے جس کو حشر　　اَے دَرد! چاہے لائے بہ خود، پھر نہ لا سکے

طریق اپنے پہ اک دَورِ جام چلتا ہے　　وَگرنہ جُو ہے، سُو گردش میں ہے زمانے کی
کیا جگر کو مرے داغ تیرے وعدوں نے　　خبر سُنی جو کہیں مَیں کِسو کے آنے کی
جَفا و جَور اُٹھانے پڑے زمانے کے　　ہَوس تھی جی میں کِسو ناز کے اُٹھانے کی

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے　　جز وصل، سُو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے
وہ اشک نکلتا ہے مری چشم سے، جِس کا　　ہر قطرہ کم از پارۂ الماس نہیں ہے
زِنہار، اِدھر کھولیو مت چشمِ حِقارت　　یہ فَقر کی دولت ہے، کچھ اِفلاس نہیں ہے
گزرا ہے، بتا کون صَبا! آج اِدھر سے　　گلشن میں ترے پھولوں کی یہ باس نہیں ہے

دل ٹکڑے کیا ہے یہ مرا کس کے لبوں نے؟　　جو لخت ہے سُو رشکِ عَقیقِ یُمنی ہے
کیا کام مجھے خوف و رَجا سے کہ مرے پاس　　ہے جان سُو بے جان ہے، دل ہے سُو غنی ہے
تَن پروریِ خَلق مُبارک ہو اُنھیں، یہاں　　جوُں نقشِ قَدم اَور ہی آسُودہ تَنی ہے
آگے جو بَلا آئی تھی سُو دل پہ ٹلی تھی　　اب کی تو مرے جان ہی پر آن بنی ہے
اَے دَرد! کہوُں کس سے، بتا، رازِ مَحبّت　　عالَم میں سُخن چینی ہے یا طَعنہ زَنی ہے

آتشِ عِشق جی جَلاتی ہے　　یہ بَلا جان ہی پہ آتی ہے
توُ ہے اَور سَیر باغ ہے ہر وقت　　داغ ہیں اَور میری چھاتی ہے

شام بھی ہو چکی، کہیں اب تو آ، شِتابی کہ رات جاتی ہے

ہے غلط گر گُمان میں کچھ ہے تجھ سِوا بھی جہان میں کچھ ہے؟
دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے آن میں کچھ ہے، آن میں کچھ ہے
لے خبر تیغِ یار! کہتے ہیں باقی اِس نیم جان میں کچھ ہے
اِن دنوں کچھ عَجب ہے میرا حال دیکھتا کچھ ہوں، دھیان میں کچھ ہے

خوابِ عدم سے چَونکے تھے ہم تیرے واسطے آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سُو گئے
اُٹھتی نہیں ہے خانۂ زنجیر سے صدا دیکھو تو کیا سبھی یہ گرفتار سُو گئے
تیری گلی ہے یا کوئی آرام گاہ ہے رکھتے قدم کے پانو تو ہر بار سُو گئے
وے مر چکے جو رَونقِ بزمِ جہان تھے اب اُٹھیے دردؔ یہاں سے کہ سب یار سُو گئے

آج نالوں نے مرے زُور ہی دل سوزی کی
زخمِ دل جتنے تھے یہاں، سب کی جگر دوزی کی

کیوں کے تشبیہ ترے ساتھ اُسے دے کوئی
شمع کو آتی نہیں طرح دل اَفروزی کی

شعر کی فِکر بَن آتی ہے اُسی سے، جس کو
دردؔ کی طرح کبھو فِکر نہ ہو روزی کی

جوں سُخن اب یاد اک عالَم رہے زندگانی! تو، چلی جا، ہم رہے

تا ابد، جوں قطرہ، مجھ سا مُنفَعِل　　جس جگہ سَجدہ کرے وہ نم رہے
بہہ چلا آنکھوں سے دل ہو کر گداز　　مُنہ پہ آکر جم رہے تو جم رہے
رُک نہیں سکتی ہے یہاں کی واردات　　کب یہ ہو سکتا ہے، دریا تھم رہے
ہے زمانہ وہ کہ مِثلِ آسماں　　جس کے آگے اہلِ رِفعت خَم رہے
ہم ہی اِس وَحشت سرَا سے نیں اُداس　　اَور بھی جو آئے سُو یہاں کم رہے

ووں ہی وہ ہُوا قلم کی مانند　　جو حرف نکل گیا زَباں سے
شب خوں کے لئے فلک پھرے ہے　　کھینچے ہُوئے تیغ کہکشاں سے
ہر آن ہے وارداتِ دل پر　　آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے
ہے مِثلِ چراغ دردؔ! میرا　　دُشمن دمِ عیسوی ہی جاں سے

مجھے یہ ڈر ہے، دلِ زندہ! تو' نہ مَر جاوے　　کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے
بَسا ہے کون ترے دل میں گُل بدن اَے دردؔ!　　کہ بوُ گُلاب کی آئی ترے پسینے سے

جی کی جی ہی میں رہی، بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی
کون وہ بے سرَ و ساماں ہے کہ یارب! جُز اشک
جس کی خاطر کہیں برسات نہ ہونے پائی

فرصتِ زندگی بہت کم ہے　　مُغتنَم ہے یہ دید، جو دَم ہے

گو سراپا ہے آب، آئینہ — اپنی آنکھوں میں چشمِ بے نَم ہے
دلِ پُر چاک ہے گُلِ خنداں — شادی و غم جہاں میں توأم ہے
دین و دُنیا میں تو ہی ظاہر ہے — دونوں عالَم کا ایک عالَم ہے
سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف — جس کے ہاتھ آوے جام سُو جَم ہے
اپنے نزدیک، باغ میں تجھ بِن — جو شجر ہے، سُو نخلِ ماتَم ہے
دلِ عاشق کی بے قراری کو — وو ہی سمجھے ہے جو کہ مَحرم ہے
درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم — وو ہی رُونا ہے نِت، وہی غم ہے

دل مرا، باغِ دل کُشا ہے مجھے — دیدہ، جامِ جہاں نُما ہے مجھے
کہیں خاموش ہو کہ مِثلِ شمع — اَے زباں! تجھ سے ہی گلہ ہے مجھے

یارو! مرا شِکوہ ہی بھلا کیجیے اُس سے — مذکور کسی طرح تو جا کیجیے اُس سے
بیزار اگر مجھ سے ہو، مختار ہو، بہتر — دل جس سے مِلے اپنا، مِلا کیجیے اُس سے

سَر سبز تھا نیستاں، میرے ہی اشکِ غم سے
تھے سیکڑوں ہی نالے وابستہ ایک دم سے
مُشتاق گر ترا کچھ لِکھے تو کیا عَجب ہے
ہُوں مِثلِ نرگس آنکھیں پیدا ابھی قلم سے
اب ہیں کہاں وہ نالے، سَر گشتگی کدھر ہے
تھیں سب یہ باتیں ثابت میرے ہی دَم قدم سے

ہے اک نگاہ کافی گو ہووے گاہ گاہے
چنداں نہیں ہے مطلب عاشق کو بیش و کم سے
کاہے کو ہوتی گردش تم کو نصیب طالع!
گر پانو باہر اپنا رکھتے نہ ہم عدم سے

مرا جی ہے جب لگ، تری جُستجو ہے — زَباں جب تلک ہے، یہی گُفتگو ہے
تمنّا ہے تیری، اگر ہے تمنّا — تری آرزو ہے، اگر آرزو ہے
کیا سَیر سب ہم نے گُلزارِ دُنیا — گُلِ دوستی میں عَجب رنگ و بوُ ہے
نظر میرے دل کی پڑی دردؔ! کِس پر — جدھر دیکھتا ہوں وہی رُو بہ رُو ہے

رَوندے ہے نقشِ پا کی طرح خَلق یہاں مجھے
اَے عُمرِ رفتہ! چھوڑ گئی توُ کہاں مجھے؟
اَے گُل! توُ رَخت باندھ، اُٹھاؤں مَیں آشیاں
گُل چیں تجھے نہ دیکھ سکے، باغباں مجھے
رہتی ہے کوئی بن کیے میرے تئیں تمام
جوُں شمع، چھوڑنے کی نہیں یہ زَباں مجھے
پتھّر تلے کا ہاتھ ہے، غفلت کے ہاتھ دل
سنگِ گراں ہوئی ہے یہ خوابِ گراں مجھے
کچھ اَور کُنجِ غم کے سِوا سوُجھتا نہیں
آتا ہے یاد جب کہ وہ کُنجِ دَہاں مجھے

جاتا ہوں خوش دماغ جو سُن کر اُسے کبھو
بدلے ہے وو ہیں نظریں وہ، دیکھا جہاں مجھے

کب ترا دیوانہ آوے قَید میں تدبیر سے — جوں صدا، نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے
دیکھنا تو آ کے از خود رَفتگاں کا حال ٹک — جا بہ جا سب پُشت بر دیوار ہیں تصویر سے
مُنعِم! ایسے قصر لاکھوں مِل گئے ہیں خاک میں — جُز خرابی کے، بتا، کیا فائدہ تعمیر سے؟

ہم چشمی ہے وَحشت کو مری، چشمِ شَرر سے
آتے ہی نظر پھر وہیں غائب ہوں نظر سے

اَے ہم وطناں! اب کی یہ غُربت زَدہ ہر گز
پھِرنے کا نہیں عُمر کی مانِند سفر سے

جاؤں مَیں کدھر، جوں گُلِ بازی، مجھے گردُوں
جانے نہیں دیتا ہے اِدھر سے نہ اُدھر سے

کعبے بھی بھلا شَیخ! ترے ساتھ چلیں گے
ایدھر کو پھریں گے ہم اگر یار کے گھر سے

اِس طرح کے رُونے سے تو جی اپنا رُکے ہے
اَے کاش! یہ اَبرِ مِژہ دل کھول کے بَرسے

کُھلتی ہے مری آنکھ جب اَحوال پر اپنے
جوں شمع، گھٹا جاتا ہوں مَیں اَپنی نظر سے

اَے سنگ! جو کچھ تو' نے کیا شیشے کے حق میں
کرتا ہے کوئی بھی یہ سلوک اپنے جگر سے

گر خاک مری، سُرمۂ اَبصار نہ ہووے
تو کوئی نظر قابلِ دیدار نہ ہووے

گر قید ہی قسمت میں ہے، کچھ اَور ہو یارب!
پر دل کِسو دل سے تو گرفتار نہ ہووے

دل! ویسے سِتم گار سے اِظہارِ مَحبّت
ایسا کہیں پھر دیکھیو زِنہار نہ ہووے

کر زندگی اِس طور سے اَے دَردؔ! جہاں میں
خاطر پہ کِسو شخص کے تو' بار نہ ہووے

دِیا ہے کس کی نظر نے یہ اِعتبار مجھے
کہ ایک دَم بھی نہیں اپنے پاس بار مجھے

ہمیشہ اپنی نظر میں سُبک مَیں رہتا ہُوں
دَیا ہے اَوروں کی نظروں میں گو وَقار مجھے

تمھارے وعدے بُتاں! خوب مَیں سمجھتا ہُوں
رَہا ہے ایسے ہی لوگوں سے کاروبار مجھے

یہ کون برقِ تجلّی ہُوا ہے آفتِ جاں
کہ ایک دَم نہیں جوں شعلہ اب قرار مجھے

جَفا وجَور تو ظالم سبھی گوارا ہیں
مگر یہ رسمِ جُدائی ہے ناگوار مجھے

دیکھیے جس کو یہاں اُسے اَور ہی کچھ دَماغ ہے
کرمکِ شب چراغ بھی گوہرِ شب چراغ ہے

غَیر سے کیا مُعاملہ آپ ہی ہیں اپنے دام میں
قیدِ خودی اگر نہ ہو پھر تو عَجب فَراغ ہے

حال مرا نہ پوُچھیے، مَیں جو کہوُں سُو کیا کہوُں
دل ہے سُو ریش ریش ہے، سینہ سُو داغ داغ ہے

اپنے تئیں تو ہر گھڑی غم ہے، اَلم ہے، داغ ہے
یاد کرے ہمیں کبھی، کب یہ تجھے دماغ ہے

جی کی خوشی نہیں گرِو سَبزہ و گُل کے ہاتھ کچھ
دِل ہو شگُفتہ جس جگہ وو ہی چمن ہے، باغ ہے

کس کی یہ چشمِ مست نے، بزم کو یوں جُھکا دیا؟
مِثلِ حَباب سرنگوں شرم سے ہر اَیاغ ہے

جلتے ہی جلتے صُبح تک گُزری اُسے تمام شب
دِل ہے کہ شعلہ ہے کوئی، شمع ہے یا چِراغ ہے

پایئے کس رَوِش بتا! اَے بُتِ بے وفا تجھے
عُمرِ گذشتہ کی طرح گُم ہی سدا سُراغ ہے

سَیر بہار و باغ سے ہم کو مُعاف کیجیے
اُس کے خیال سے تو یہاں دردؔ کسے فَراغ ہے

لَحظہ بہ لحظہ یہاں نیا داغ پر اَور داغ ہے
تو، بھی اِدھر نگاہ کر، ساحتِ سینہ باغ ہے

تیری نگاہِ مست نے جب سے یہ کی ہے مَے کشی
خوُن سے اپنے مِثلِ گُل، ہم نے بھرا اَیاغ ہے

دَولتِ فَقر کے حضور، گَرد ہے جاہِ سَلطنت
کہتے ہیں یہاں جسے ہُما، اپنی نظر میں زاغ ہے

اُس کے خیالِ زُلف نے سب سے ہمیں چھڑا دیا
گرچہ پھنسے ہیں دام میں، دل کے تئیں فَراغ ہے

ہم نے بہت کہا اُسے، پَر نہ ہُوا یہ آدمی
زاہدِ خشک بھی کوئی سخت ہی خَر دِماغ ہے

اہلِ نظر کو رہنُما دؔرد! نہیں ضرور کچھ
مِثلِ شَرر وہی ہے چشم اَور وہی چِراغ ہے

قصد ہے، جس طرح بنے پہنچیے آپ تک کہیں
دن بھی یہی ہے جُستجو، رات یہی سُراغ ہے

دؔرد! وہ گُل بدن مگر تجھ کو نظر پڑا کہیں!
آج تو' اِس قدر، بتا! کس لیے باغ باغ ہے

عالَم ہُو قدیم، خواہ حادِث
جس دَم نہیں ہم، جہاں نہیں ہے

پایا نہ کِسو نے آہ! تجھ کو
ہر چند کہ تو' کہاں نہیں ہے

عَنقا کی طرح، مَیں کیا بتاؤں
جُز نام، مرا نشاں نہیں ہے

جوُں شمع، نہ رازِ دل کہوُں گا
ایسی بھی مری زَباں نہیں ہے

ہم نشیں! پوُچھ نہ اُس شوُخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے غَرَض، جی کو مرے بھاتا ہے

جی کڑا کر کے ترے کوُچے سے جب جاتا ہوُں
دلِ دُشمن یہ مجھے گھیر کے پھر لاتا ہے

دُشنام دے ہے غیر کو تو، جان کر مجھے
پیارے! یہ لطف کیجیے پہچان کر مجھے

کل کی طرح سے آج بھی اب نیند آچکی
گھیرا اُسی خرابی نے پھر آن کر مجھے

کہتا ہے اک نگاہ پہ آئینہ رُو مرا
بَس اَور اب زیادہ نہ حَیران کر مجھے

گر نازُکیِ عشق تجھے رنگ دِکھاوے
ہر سنگ میں شیشہ ہے، بہ ہر شیشہ پَری ہے

سَو طرح سے دیتے ہیں اُسے پیچ ہُنرمَند
مُجھ سے نہیں ملتا، یہ مری بے ہُنَری ہے

دل تنگ ہے یہ غُنچۂ دل، مُنہ نہ کھلانا
جوُں نکہتِ گُل اِس میں تری پردہ دَری ہے

ہے جوُں مَہ و خورشید زَر و سیم مُیسّر
تو بھی تو حریصوں کے تئیں دَربَدَری ہے

لیتا ہے خبر وہ تو سَبھی خَلق کی لیکن
اپنے تئیں اَے دردؔ! بہت بے خَبَری ہے

بند اَحکامِ عقل میں رہنا
یہ بھی اک نَوع کی حِماقت ہے

ایک ایمان ہے بِساط اپنی
نہ عبادت، نہ کچھ رِیاضت ہے

تُہمتیں چند اپنے ذِمّے دھر چلے
جس لیے آئے تھے ہم، سُو کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوُفان ہے!
ہم تو اِس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام اِن گلوں سے اَے صَبا!
ایک دَم آئے اِدھر، اودھَر چلے

دوستو! دیکھا تماشا یہاں کا بَس
تم رہو اب، ہم تو اپنے گھر چلے

آہ! بَس مت جی جَلا، تب جانیے
جب کوئی افسوُں ترا اُس پر چلے

ایک مَیں دل ریش ہوُں ویسا ہی دوست!
زخم کتنوں کے، سُنا ہے، بھر چلے

شمع کی مانند ہم اِس بزم میں
چشم تر آئے تھے، دامن تر چلے

جوں شرر، اَے ہستیِ بے بُود! یہاں بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

آتشِ عشق قہر آفت ہے ایک بجلی سی آن پڑتی ہے
بات چڑھتی ہے دل پہ جو، آخر خَلق کی پھر زبان پڑتی ہے
میرے اَحوال پر نہ ہنس اِتنا یوں بھی اَے مہربان! پڑتی ہے

جو کچھ کہ دِکھاوے گا خُدا، دیکھیں گے ناچار
صدقے ترے، اک بار تو مُنہ پھر بھی دِکھا لے

ایسے سے کوئی اپنے تئیں کیوں کے بچاوے
دل زُلفوں سے بچ جائے تو آنکھوں سے چھِنا لے

کیا جانیے کِس دل کے تئیں آہ! ڈسیں گے
زُلفوں نے تو بے طرح یہ اب چھوڑے ہیں کالے

اَبرُو نے تری جس کی طرف تیغ سنبھالی
مِژگاں نے وہیں کر دیے تب سامنے بھالے

چَین تو ہم کو نہ آیا ایک ساعت اُس بغیر رات دن ہر چند اپنے دل کو بہلایا کیے
اپنے دروازے تلک بھی وہ نہ آیا ایک بار ہر گھڑی اُٹھ اُٹھ کے ہم جس کے لیے آیا کیے
یا کہ وہ راتیں تھیں یا تو یہ دنوں کا پھیر ہے ہاتھ اب لگتے نہیں، تب پانو دَبوایا کیے

نہ پوُچھو کچھ ہمارے ہجر کی اور وصل کی باتیں
چلے تھے ڈھونڈھنے جس کو سو وہ ہی آپ ہو بیٹھے

وَفا کی چھینٹ بھی تجھ پر پڑی ہرگز نہ اَے ظالم!
لگا تھا خوُن دامن سے سُو وہ بھی آپ دھو بَیٹھے

نہ پوُچھو، عشق کی شوُرِش نے عالَم میں کیا کیا کیا
عَجب طوُفاں اٹھائے یہ کہ جس سے گھر کے گھر بَیٹھے

محَبت نے تمھارے دل میں بھی اِتنا تو سرَ کھینچا
قسم کھانے لگے، تب ہاتھ میرے سرَ پہ دھر بَیٹھے

کوئی دن اَور بھی ہم کو پِھرا لے گردشِ دَوراں!
نہیں اُٹھنے کے پھر ہرگز، کہیں اب کی اگر بَیٹھے

چھلاوا سا جو ہوجاتا ہے جَلوہ وصل کا گا ہے
جُدائی پھر تو اک مُدّت عوِض کیا کیا دِکھاتی ہے

کبھو رَونا، کبھو ہنسنا، کبھو حَیران ہُو رہنا
محَبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

پِھرے ہے اس طرح جو آج توُ اَے دردؔ! بے خود سا
بتا ہم کو بھی ٹک بارے وہ کیا آفت کہ آتی ہے

ترِچھی نظروں سے دیکھنا ہر دم — یہ بھی اک بانکپن کا بانا ہے
واہ ری یہ زَبان کی تیزی — ہر طرف کچھ نہ کچھ سُنانا ہے

مسکرایا خوشی سے وہ جس طرح باغ میں کب کھلی کلی ایسی

کیف وکم کو دیکھ اُسے بے کیف وکم کہنے لگے جب حُدُوث اپنا کُھلا، رازِ قِدَم کہنے لگے
واہ وا، قسمت کی مجبوری کو دیکھا چاہیے وہ ہوا بے پردہ تب ہم اُس کو "ہم" کہنے لگے
غافلو! تم بات اپنی بھی سمجھتے ہی نہیں ہے کسی کا وہ دہن، جس کو عدم کہنے لگے

دُشوار ہوتی ظالم! تجھ کو بھی نیند آنی
لیکن سُنی نہ 'تو' نے، ٹک بھی مری کہانی
محتاج اب نہیں ہم ناصح! نصیحتوں کے
ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی
مرنے سے آگے کیا ہے، مرجائیں گے تو مرجائیں
بہتر، نہ ملیے ہم سے، گر یوُں ہے جی میں ٹھانی
میرے غُبار کا کچھ پایا نِشاں نہ ہر گز
صَحرا میں جا صَبا نے، ہر چند خاک چھانی

تیری گلی میں مَیں نہ پھِروں اَور صَبا چلے یوُں ہی خُدا جو چاہے تو بندے کا کیا چلے
کِس کی یہ مَوجِ حُسن ہوئی جلوہ گر کہ یوُں دریا میں جو حَباب بھی آنکھیں چھپا چلے
ہم بھی جَرس کی طرح تو اِس قافلے کے ساتھ نالے جو کچھ بِساط میں تھے سُو سُنا چلے
کہہ بَیٹھیو نہ دَرد کہ اہلِ وفا ہوُں مَیں اُس بے وفا کے آگے جو ذکرِ وفا چلے

زُلف کی کج ادائیاں دیکھو　　ہر گھڑی مُنہ سے جا لپٹتی ہے
آج ہے آہ کی ہوا کچھ اَور　　دیکھیے کس طرف پلٹتی ہے
جو خرابی کہ دردؔ یہاں پھیلی　　دستِ قُدرت سے کب سمٹتی ہے

اِس خانماں خراب کو لے جاؤں مَیں کِدھر　　دل پر تو یہ فضاے بیاباں بھی تنگ ہے

اُس سنگ دل کی وعدہ خِلافی کو دیکھیے　　پتھرا گئی ہیں آنکھیں مری، انتظار سے
سینے کو چاک صُبح کی مانند گر کروں　　جوں آفتاب، نکلے مرا دل کِنار سے

دردؔ جوں نقشِ قدم تھا سرِ رہ پر اُس کے
مِٹ گیا اَوروں کے ہی پانو کے دھرتے دھرتے

ظالم! سمجھ کے اپنی نظر پھینکیو کہیں　　گزرا جدھر یہ تیر تو پھر وار پار ہے
رُوتا نہیں ہے شاہدِ مینا یہ بے سبب　　گردن پہ اُس کی خون کسی کا سوار ہے

بازی بدی تھی اُن نے مری چشمِ تر کے ساتھ　　آخر کو ہار ہار کے برسات رہ گئی

گرچہ بیزار تو ہے، پر کچھ اُسے پیار بھی ہے　　ساتھ اِنکار کے، پردے میں پھر اِقرار بھی ہے
زاہدا! شِرکِ خفی کی بھی خبر ٹک لینا　　ساتھ ہر دانۂ تسبیح کے زُنّار بھی ہے

نظرِ رحمت! اِدھر کو بھی گُزر کیجیے گا — اِسی اُمید پہ آیا یہ گنہ گار بھی ہے
دل بھلا ایسے کو اَے دردؔ! نہ دیجے کیوں کر — ایک تو یار ہے اَور تس پہ طرح دار بھی ہے

جب نظر سے بہار گُزرے ہے — جی پہ رفتارِ یار گُزرے ہے

تو' چونکتا عبث ہے کسی بات کے لیے — مَیں آ گیا ہوں صِرف ملاقات کے لیے
یوُں ہی تمام جھگڑے ہی رگڑے میں ہو گئی — ہر دن خراب پھرتے تھے جس رات کے لیے
اگلے مُعانقے کو اگر کیجیے مُعاف — لگ جاؤں اب گلے سے مُکافات کے لیے
ہم جانتے ہیں دردؔ، اندھیرے میں رات کو — تو' لگ رہا ہے کوُچے میں جس گھات کے لیے

غم ناکی بے ہوُدہ، رُونے کو ڈُبوتی ہے
گر اشک بجا ٹپکے، آنسو نہیں، موتی ہے

دَم لینے کی فُرصت یہاں ٹک دی نہ زمانے نے
ہم تجھ کو دِکھا دیتے، کچھ آہ بھی ہوتی ہے

خورشید قیامت کا، سرَ پَر تو اب آ پہنچا
غفلت کو جگا دینا، کس نیند یہ سوتی ہے

خورشید نہ تنہا ہے، گردِش میں زمانے کی
یہاں اپنے دنوں کے تئیں شبنم بھی تو رُوتی ہے

عجب خواب درپیش ہے پھر تو سب کو — سُنا لو ٹک اب اپنی اپنی کہانی

دردِ اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے — جو سانس بھی نہ لے سکے سُو آہ کیا کرے
فَرسوُدگی ہے رِشتۂ تسبیح کا حُصوُل — دل میں رکسو کے آہ! کوئی راہ کیا کرے
جس دل پہ بے وفائی معشوق کے سبب — یہ کچھ گزر چکا ہو، وہ پھر چاہ کیا کرے
دل دے چکا ہوں اُس بُتِ کافر کے ہاتھ میں — اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خون ہی رواں ہے
جو کچھ ہے میرے دل میں، مُنہ پر مرے عیاں ہے
غُنچہ ہے دل گرفتہ، گُل کا ہے چاک سینہ
گلشن میں ہے تو یہ کچھ، آسوُدگی کہاں ہے؟
آہوں کی کشمکش میں کہیں دیکھو نہ ٹوٹے
تارِ نفَس سے اَے دل! وابَستہ میری جاں ہے
گُم نام اب جہاں میں مجھ سا نہیں ہے کوئی
عَنقا کا نام تو ہے، ہر چند بے نشاں ہے

غم سے پہچانتا نہیں ہوں مَیں — کہ مرا سرَ ہے یا یہ زانو ہے
منعِ صَہبا نہ کر مجھے اَے شیخ! — مَے پرستوں کے حق میں دارُو ہے

ہستی ہے سفر، عدَم وطن ہے — دل خلوت و چشم انجمن ہے
ہر چند کہ سنگ دل ہے شیریں — لیکن فرہاد، کوہ کن ہے
مت جا تر و تازگی پہ اِس کی — عالَم تو خیال کا چمن ہے

نہ وہ نالوں کی شورِش ہے، نہ آہوں کی ہے وہ دھوئی
ہُوا کیا دردؔ کو پیارے! گلی کیوں آج ہے سوئی

جلا کر دیکھ نامے کو، حقیقت گر نہیں پڑھتا
محبت کے شَراروں نے یہ چھاتی جس طرح بھوئی

تپِش کو دل کی، مَیں جانا تھا، یہ آنسو بُجھادیں گے
ولے یہ آگ تو پانی سے بھڑکی اَور بھی دونی

پڑی ہے خاک میں یہ لاش اُس رشکِ شہیداں کی
لہو کے آنسوؤں رُوتا ہے جس کو قتل کر خوئی

تو' اِس قدر جو اُس کا مُشتاق ہو رہا ہے
کیا دل سے بھی زیادہ آئینے میں صَفا ہے

کعبے کو بھی نہ جائیے، دَیر کو بھی نہ کیجیے مُنہ
دل میں کِسو کے دردؔ! یہاں، ہووے تو راہ کیجیے

دل اپنے پاس گو کبھو رہتا نہیں ہے دردؔ
پر ہے یہی دُعا، وہ رہے خوش، جہاں رہے

اگر آہ بھریے، اَثر شرط ہے
وگر ضبط کریے، جگر شرط ہے

لختِ جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہ گئے
کچھ پارہ ہائے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے

کس کس طرح سے اُن نے بھی سُن سُن کے ٹالیاں
ہر چند ہم بھی باتوں میں کچھ کچھ تو کہہ گئے

سراپا چشم ہوں جوں آئنہ، پر — کِسو پر درؔد! میری کب نظر ہے

خبر اپنی لے اَے گلستانِ خوبی! — کرے ہے تبسُّم ترا، گُل فروشی

جگر پہ داغ نے میرے یہ گُل فِشانی کی — کہ اُن نے آپ تماشے کو مہربانی کی
مری سی نالہ تراشی نہ کرسکا فرہاد — اگرچہ اُس نے بھی یک عمر تیشہ رانی کی
ہم اِتنی عُمر میں دُنیا سے ہو گئے بیزار — عَجب ہے، خِضر نے کیوں کر کے زندگانی کی

دونوں جگہ میں معنیِ مَولا ہیں جلوہ گر — غافِل! اَیاز کون ہے؟ محمود کون ہے؟

کیا جانیے، کیا دل پہ مصیبت یہ پڑی ہے — اک آگ سی کچھ ہے کہ وہ سینے میں گڑی ہے

آیا نہ چین جی کو، نہ دل سے تپک گئی
مَیں چپ رہوں کہاں تئیں، چھاتی تو پک گئی

ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی گریباں میں ہے مثلِ صبح اِک تارِ نفس باقی

گُل رُخوں کا، بحر و بر میں جو کہ ہے، مدہوش ہے
ہم نے دریا میں بھی دیکھا، بُلبُلوں کا جوش ہے
وَصف خاموشی کی کچھ کہنے میں آسکتی نہیں
جن نے اِس لذّت کو پایا ہے، سدا خاموش ہے

گر معرفت کا چشمِ بصیرت میں نور ہے تو جس طرف کو دیکھیے، اُس کا ظہور ہے

نہ مرتے ہیں، نہ نیند آتی، نہ وہ صورت بِسَرتی ہے
یہ جیتے جاگتے ہم پر قیامت شب گزُرتی ہے

از بس کہ جہاں نقشِ فنا کا ہی نگیں ہے دل جس سے لگا، پھر اُسے دیکھا تو نہیں ہے

عبث دل! بے کسی اپنی پہ تو' ہر وقت رُوتا ہے
نہ کر غم اَے دِوانے! عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے

قطعات

یہی پیغام درد کا کہنا — گر کوئی بار یار میں گزرے
کون سی رات آن ملیے گا — دن بہت انتظار میں گزرے

شاہنشہِ ملکِ کفر و دیں تو، — ہے تختِ نشینِ دل نشیں تو،
ہوں لفظِ بہ معنی آشنا مَیں — ہے معنیِ لفظ آفریں تو،
اَے زیورِ دستِ غیب! ہر جا — انگشت نما ہے جوں نگیں تو،

مَیں منتظرِ دمِ صبا ہوں — جوں غنچہ، گرفتہ دل بنا ہوں
اک عمر گزر گئی سمجھتے — معلوم کیا نہ مَیں نے، کیا ہوں
تنکا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے — شرمندۂ جذبِ کہربا ہوں
بے گانہ جو مجھ سے وہ پھرے ہے — تقصیر یہ ہے کہ آشنا ہوں
مشکل ہے مجھے کہیں رسائی — کوتاہیِ طبعِ نا رسا ہوں
پائی نہ گلِ وفا کی بو بھی — اِس باغ میں جا بہ جا پھرا ہوں

میرے دمِ سرد سے، نہیں دور — خورشید اگر ہو قرصِ کافور
ہوں داغ مَیں زخمِ دل کے ہاتھوں — بہتا ہی رہا سدا یہ ناسور
پوچھے کوئی جس کی بات مجھ سے — کرنا ہے مجھے ترا ہی مذکور
ہے غم ہی ترا کہ روز و شب یوں — رکھتا ہے ہمارے دل کو معمور

اِس زیست کا اِعتبار کیا ہے — کوئی دم میں یہ زندگی ہوا ہے

گُزرا ہے نظر سے ایک عالَم
یہ چشم نہیں ہے، نَقشِ پا ہے
ہے دیدِ فنا ہی حاصلِ چشمِ
عُقدہ یہ حَباب پر کُھلا ہے
ظاہر ہے تجھی سے تو یہ عالَم
تو' مجھ کو بتا، کہاں چُھپا ہے
دُنیا سے اُمیدِ پائداری!
یہ وہم ترا کدھر گیا ہے
کچھ پائی خبر نہ مَیں نے دل کی
کس کے وہ خیال میں گیا ہے
ہے میرے تئیں سُراغ دل کا
پھرتا ہوں لیے یہ داغ دل کا

اَے رشکِ بہار! ہے تجھی سے
یہ رُوے زمیں پہ آب اَور رنگ
حَیرت کا مری تو یہ اثر ہے
وہ بھی مجھے دیکھ رہ گیا دنگ
مَیں پہنچوں خیال کی طرح وہاں
گر مجھ سے ہو تو' ہزار فرسنگ
مَیں غُنچۂ دل گرِفتۂ دل
تو' عُقدہ کُشاے خاطرِ تنگ

عاشق ہے اَور اِضطرار کرنا
اک جا نہ کہیں قَرار کرنا
ہم بھی ہیں اُمیدوار بوُ کے
ایدھر بھی صَبا! گُزار کرنا
اَے عشق! قسم ہے، قتل گہ میں
پہلے تو اِدھر ہی وار کرنا
دل! اُس کی گلی کو جب چلے تو'
میرا بھی ٹک اِنتظار کرنا
ظالِم! ہیں تری یہ چشم، قاتِل
عاشق سے اِنھیں نہ چار کرنا

ہو سامنے کون اُس مِژہ کے
میرا ہی تو یہ دل و جگر تھا
پوُچھا مَیں کہ دل کو کیوں اُجاڑا
کہنے لگا! خوب، اپنا گھر تھا
اَے دَرد! جہاں کہیں مَیں دیکھا
وہ یار مرا ہی جَلوہ گر تھا

مخمسات

باطِن سے جنھوں کے تئیں خبر ہے ظاہر پہ اُنھیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے اِس آگ سے سُوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو، شرر ہے

خاموش ہو، ترکِ گفتگو کر باطِن کی صَفا کی جُستجو کر
حیرت میں وِصال آرزو کر آئینۂ دل کو رُو بہ رُو کر
دیدار نصیبِ ہر نظر ہے

ہستی نے کیا ہے گرم بازار لیکن یہاں ہے نگاہ درکار
سختی سے نہ رکھ قدم کو زِنہار آہستہ گُزر میانِ کُہسار
ہر سنگ، دُکانِ شیشہ گر ہے

ہم وَحشیوں کے دل میں کچھ اَور ہی اُمنگ ہے وَحشت بھری ہے اَور ہی، اَور ہی ترنگ ہے
اِن گُم شُدوں کے آگے تو عَنقا بھی دنگ ہے اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لَوحِ مَزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

نَے فکر صُبح کی، نہ غمِ شام تھا ہمیں نَے شَوقِ بادہ تھا، نہ سَرِ جام تھا ہمیں
جب تک عدم میں تھے، عَجب آرام تھا ہمیں اِس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اَے نشۂ ظہور! یہ تیری ترنگ ہے

رباعیات

مُدّت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئنہ کب تلک پریشاں نظری
اب مونْدیے آنکھ بس، جہاں کو دیکھا

ہم نے بھی کبھو جام و سبو دیکھا تھا
جو کچھ کہ نہیں ہے، رُو بہ رُو دیکھا تھا
اُن باتوں کو اب جو غور کریے اَے دردؔ!
کچھ خواب سا تھا کہ وہ کبھو دیکھا تھا

آرام نہ دن کو بے قراری کے سبب
نَے رات کو چین آہ و زاری کے سبب
واقِف نہ تھے ہم تو اِن بلاؤں سے کبھو
یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

جب سے توَحید کا سبق پڑھتا ہوں
ہر حَرف میں کتنے ہی وَرَق پڑھتا ہوں
اِس عِلم کی اِنتہا سمجھنا آگے
اَے دردؔ! ابھی تو نامِ حق پڑھتا ہوں

خواجہ میر درد

درد کی شاعری میں ایک ہلکی سی کسک اور ایک طرح کی حسرت تہ نشین نظر آتی ہے، جو اچھی عشقیہ اور اچھی جذباتی شاعری کی پہچان ہوتی ہے۔ اسی رمزیہ اسلوب نے درد کی غزلیہ شاعری کو امتیازی شان بخشی ہے۔

— رشید حسن خاں

درد کے ہاں صوفیانہ فکر، جذبے کی چمک اور تجربے کی گرمی کے ساتھ مل کر اس طرح جلوہ نما ہوتی ہے کہ ان سے پہلے کسی اور شاعر کے ہاں اس طرح بیان میں نہیں آئی۔ اسی تخلیقی عمل میں ان کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔

— ڈاکٹر جمیل جالبی

حضرت خواجہ میر درد... پر دلّی کی تہذیب اور برعظیم کے مسلمانوں کی فکری و شعری روایت بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ — ڈاکٹر عبادت بریلوی

درد پہلے شاعر ہیں، جنہوں نے اردو غزل کو تصوف کے میدان میں فارسی شاعری کے برابر کھڑا ہونے کے لائق بنادیا۔ — ڈاکٹر وحید اختر

خواجہ صاحب کی شاعری تلون سے پاک اور بے لوث ہے۔ ہر غزل میں یکسانیت اور ہمواری ویسی ہی ہے جیسی ہونی چاہیے۔ — عبدالباری آسی

سوز و گداز، درد و غم اور آہ و زاری ان کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ان کے کلام میں ہمیں ایک حسین سی کسک ملتی ہے جو ہم پر خوش گوار اثر چھوڑتی ہے۔

— ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی

ISBN 978-0-19-547598-2

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

RS 135

www.oup.com
www.oup.com/pk